کتاب و سنت اور اسلافِ اُمّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:10 Issue:11 November 2017

مُدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

درسِ قرآن	ماہِ میلاد کی خرافات اور ذی اثر حضرات سے گذارش	مولانا عبدالقادر فرید قاسمی	۵
درسِ حدیث	راستے کا کیا حق ہے؟	مولانا سید خواجہ نصیرالدین قاسمی	۷
پیشِ گفتار		مدیر	۹
گوشۂ خواتین	اسلام کی باکمال خواتین	مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی	۱۰
مجالسِ نبوی	اے خاتون اللہ سے ڈر اور صبر کر	مولانا الیاس ندوی بھٹکلی	۱۳
گوشۂ سیرت	رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی دروس ونصائح	محترم محمد شمیم اکرم رحمانی	۱۴
"	نازاں ہے؛ جس پہ حُسن وہ حسنِ رسول ہے	محترم رضوان اللہ پشاوری	۱۸
شعروادب	ڈاکٹر کلیم عاجز کی نعتیہ شاعری	مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی	۲۳
اصلاحِ معاشرہ	کسی مسلمان کے ساتھ استہزاء وتمسخر	حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ	۲۷
اعداد وشمار	فلسطینی تیل وگیس کی قیمت کی دولت دشمن کے۔۔	ادارہ	۲۹
اندیشۂ فردا	نئی حج پالیسی۔مثبت اور منفی پہلوؤں کا جائزہ	مولانا سید احمد ومیض ندوی صاحب	۳۵
دعوتِ فکر وعمل	مدارسِ اسلامیہ اور عصری علوم	مولانا محمد کبیرالدین صاحب قاسمی	۳۹
لمحۂ فکریہ	فتووں کی گرم بازاری	مولانا ندیم الواجد صاحب	۴۳
فقہ وفتاویٰ	آپ کے شرعی مسائل	ادارہ	۴۸
خبر	عالمِ اسلام کی خبریں	ادارہ	۵۰

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ادارہ

درسِ قرآن

ماہِ میلاد کی خرافات اور ذی اثر حضرات سے گذارش

مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ (سورۃ ال عمران)

ترجمہ: اے پیغمبر! کہہ دو، تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اگر تم منہ موڑو گے تو سن لو! اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتے ہیں۔

تشریح: اسلام کی دو بنیادیں ہیں ایک اطاعتِ خدا، دوسرے اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، یہ دو بنیادیں اتنی اہم ہیں کہ ایمان کا حصول اور اس کی بقا کے لئے لازمی شرط ہیں، بندہ کا ایمان ان دو باتوں پر موقوف ہے، صرف اطاعتِ خدا ہو یہ اطاعتِ رسول کے بغیر نامکمل؛ اور اطاعتِ رسول یہ اطاعتِ خدا کے بغیر ناقص ہے، یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وضروری ہیں، کچھ ایسا ہی معاملہ محبتِ خدا اور محبتِ رسول کا بھی ہے، کوئی محبتِ خدا کا دعوے دار ہو اور اطاعتِ رسول اور محبتِ رسول سے عاری ہو تو اس کی محبت ناقابلِ قبول، ایسے ہی کوئی محبتِ رسول کا نعرہ زن ہو اطاعتِ رسول سے عاری ہو تو یہ خواہ مخواہ کے نعرے عنداللہ اکارت اور بے کار ہوں گے۔

ہمارا مذہب اسلام ایک حقیقت پسندانہ، معتدلانہ مذہب ہے نہ اس میں سطحیت ہے نہ رسمیت، نہ افراط ہے نہ تفریط بلکہ فطرت سے میل کھاتا ہوا معتدل مذہب ہے، لہذا وہ اپنے ماننے والوں سے بھی احکام واعمال میں روحانیت وحقیقت پسندی کا مطالبہ کرتا ہے، جس عمل میں کیفیتِ احسان (یعنی خدا کے دیکھنے کا احساس) نہ ہو اور واقعیت وحقیقت سے خالی ہو تو اس عمل میں کوئی روحانیت باقی نہیں رہ جاتی ہے وہ ضائع اور اکارت ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس عمل کے کرنے میں قلبی جذبات کی تو رعایت کی گئی ہے جو دراصل اعمال کو ضائع کرنے

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

کا ایک شیطانی حربہ ہے لیکن شریعت کے مزاج کا کوئی پاس ولحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہماری حیثیت غلام اور بندہ کی ہے، اور بندہ کی اپنی کوئی خواہش اور تمنا نہیں ہوتی ہے وہ تابع ہوتا ہے ہر اس امر کا جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں، اگر ہم نے دین من مانی چاہتوں، جی میں جو آجائے اُسے اخلاص واحسان اور تقاضہائے عشق سمجھ کر کرلیا ہے تو یہ ہمارے جذبات تو ہو سکتے ہیں لیکن دین نہیں ہوسکتا؛

اب جب کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا مہینہ آرہا ہے ہر طرف خوشی کا سماں، چہار سو عشق ومستی کی نغمہ سرائیاں پھر ہر محلہ، ہر شہر، ہر قریہ جلسے جلوس اس میں لگنے والے فلک شگاف نعرے، نعتیں، غزلیں، چمک دھمک، پھر ایسی تقاریر جس میں مقررین بولتے نہیں ہیں موتی رولتے ہیں ان کی گل فشانی قابل دید اور گفتار قابل شنید ہوتی ہے لیکن ذرا جذبات وخواہشات سے بالاتر ہو کر حقیقت پسندی کی نگاہ سے دیکھیں اور معتدل ذہن وقلب سے غور کریں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق ووارفتگی کا یہ تقاضہ ہے؟ یا ان کے اسوۂ حسنہ کے آئینے میں دیکھ کر اپنے چہرہ کے داغ دھبوں کو صاف کرنا ہے؟

اگر ہم اپنے مسلم معاشرہ میں غور وفکر کریں تو پتہ چلے گا کہ دین اور خوشنودیٔ رب کے نام پر کتنی رسومات اور توہمات، نت نئی ایجادات جنم لے چکی ہیں جس کو نہ صرف دین بلکہ اصل دین سمجھ کر انجام دیا جاتا ہے یہ قصور عوام کا نہیں بلکہ ان رہنمایانہ خطوط سے انحراف کا نتیجہ ہے جو تشخصِ ذاتی کی راہ میں حائل ہیں، اگر تشخصات کو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ردائے نورانی میں ڈھانپ لیا جائے تو نہ صرف شخصی تحفظات فراہم ہوں گے بلکہ مقاماتِ عالیہ ورضاء الٰہیہ سے بھی مشرف ہوں گے، اس لئے عوام کو رسمیات وخرافات سے نکال کر اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اصلیت پر لانے کی سعیٔ مشکور ہونی چاہیئے۔

قصہ مختصر یہ کہ قوم کے جن مقتدا حضرات نے شہروں میں حفاظتِ دین کا یہ طریقہ سمجھ رکھا ہے جو ماہِ ربیع الاول میں رسومات وخرافات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو ہم ان کے بارے میں یہی تصور کر سکتے ہیں ؎

حرم رسوا ہو پیرِ حرم کی کم نگاہی سے

قوم کے وہ سنجیدہ لوگ جن کے قول میں تاثیر ہے جن کی شخصیت کو لوگ تسلیم کرتے ہیں وہ اپنی سکوت کو تحفظِ دین اور تحفظِ مزاجِ دین کی خاطر توڑ کر آگے تشریف لائیں یہ وقت دین کی شبیہ کے بگڑنے اور صرف اس کی رسمیت کے باقی رہ جانے کا ہے لہذا وقت آپ سے یہی درخواست کر رہا ہے ؎

اے معمارِ حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز

درسِ حدیث

راستے کا کیا حق ہے؟

مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی*

عَنْ اَبِیْ سَعِیدِالخدریِّ رَضِیَ اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ :اِیَّاکُمْ وَالجلُوْسَ فِی الطُّرُقَاتِ فَقَالُوْا:یَارَسُولَ اللہ !مَالَنَا مِنْ مجالِسِنَا بُدٌ نَتَحَدّثُ فِیھَا، فَقَالَ رَسُولُ اللہ ﷺ فَاذا اَبَیْتُمُ الّا المجْلِسَ فَاعطُوا الطَّرِیْقَ حَقَّہ، قَالُوْا: وَمَا حَقُّ الطّرِیقِ؟ یَارَسُوْلَ اللہ! قَالَ: غَضُّ البَصر، و کَفُّ الاَذیٰ، وَردُّالسلامَ، و الاَمرُ بالمعْروفِ و النَّھْیُ عَنِ المنْکَرِ

(متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: راستوں پر (گھروں کے باہر چبوتروں اور کھلے دروازوں میں کھڑے ہونے اور) بیٹھنے سے بچو، صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں (اپنے کچھ دنیوی واخروی امور کی خاطر) باہر بیٹھنا ہی پڑتا ہے، جس میں ہم کچھ مشورے کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہیں (باہر) بیٹھنا ہی ناگزیر ہے، تو راستے کا حق ادا کرو، صحابہ کرام ؓ نے پوچھا: راستے کا کیا حق ہے؟ ارشاد فرمایا: ۱) نگاہیں نیچی رکھنا، ۲) ایذا رسانی سے باز رہنا، ۳) سلام کا جواب دینا، ۴) اچھی باتیں بتانا اور بری باتوں سے روکنا۔

تشریح: راویٔ حدیث سعد بن مالک بن سنان خدری ؓ ہیں جو ابوسعید خدری ؓ سے معروف ہیں، قبیلۂ خزرج کے انصاری صحابی ؓ ہیں، غزوۂ اُحد میں والد گرامی شہید ہوگئے اور آپ کم سنی کی وجہ سے شریکِ جہاد نہ ہوسکے، البتہ بعد کے غزوات میں شریک ہوئے، آپ کثیر الروایہ صحابی ہیں، نوجوان صحابہ کرام ؓ میں نہایت ذکی وفطین صاحبِ فضل وکمال ہیں، اور بہت سی احادیث کے حافظ بھی ہیں۔ (الاصابہ)

آج کے مسلم معاشرہ کو اس حدیثِ مبارکہ کی نصائح غالیہ کی سخت احتیاج ہے، کیوں کہ اکثر وبیشتر نوعمر بچوں سے لے کر ادھیڑ عمر تک کے مسلمان سڑکوں، چوراہوں، گھروں کے باہر چبوتروں ودہلیزوں پر بیٹھے باتیں

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

کرنے اور وقت گذاری کے عادی ہوگئے ہیں، کس مجبوری نے اُنھیں گھروں سے باہر کیا اس سے شاید وہ خود بھی بخوبی واقف نہ ہوں گے، لیکن ہمارے مشفق ومحسن نبی رحمت ﷺ کو بے وجہ گھروں سے باہر رہنا بالکل پسند نہیں تھا، چناں چہ آپ ﷺ نے ایک صحابیؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ولیسعک بیتک (تمہارے لئے تمہارا گھر وسیع ہونا چاہیئے) یعنی ایسا نہ ہو کہ تمہیں گھر پر رہنا گراں گذرے اور تم گھروں سے باہر رہنے کو ترجیح دینے لگو) اس نصیحت میں بیسیوں معاشرتی اصلاحات مضمر ہیں جو غور کرنے سے سمجھ میں آسکتی ہیں، فاعتبروا یااولی الابصار

یہ ضروری نہیں کہ ہر کوئی بلا وجہ ہی گھر سے باہر رہنے لگے جیسا کہ مذکورہ بالا روایت میں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ہمیں کسی نہ کسی ضروری امر میں گفتگو باہر رہ کر ہی کرنی پڑتی ہے، تو آپ ﷺ نے مشروط اجازت دی کہ راستہ کا حق ادا کرتے رہو، صحابہ کرامؓ کے دریافت کرنے پر اُنھیں راستہ کا حق بھی بتلا دیا کہ

۱) غض البصر: پہلا حق یہ ہے کہ نگاہیں نیچی رکھو، کہ کہیں کسی اجنبیہ یا نوعمر لڑکوں پر نظر نہ پڑ جائے، ایسے منظر نظر میں نہ آجائیں جو تمہیں غم وحزن اور ناگوارئ خاطر میں مبتلا کردے، یا کہیں کسی کا عیب ظاہر نہ ہوجائے کہ جس سے تمہیں بدگمانی ہوجائے؛ آج کل بدنگاہی وبدنظری سے احتیاط کس قدر اہم ہے وہ کسی صاحبِ علم وخبر سے مخفی نہیں، راستہ چلتے ہوئے بھی کسی ضرورت سے رُکنا پڑے بلکہ خریداری کے لئے کسی دکان یا شاپنگ مال پر بھی جانا پڑے تو یہ دھیان رکھے کہ نگاہیں بھٹکنے نہ پائے کیوں کہ اس کے بغیر نورِ تقویٰ کا باقی رہنا مشکل ہے۔

۲) کف الاذیٰ: دوسرا حق یہ ہے کہ راستوں میں تکلیف دہ چیز ڈالنے سے بچو، یعنی ہر ایسی چیز جس سے خود تم کو تکلیف پہونچتی ہو باز آؤ، مثلاً درخت کی ٹہنیاں، کوڑا کرکٹ، کوئی بڑا پتھر ڈالنے سے، اپنی سواریاں آڑی تیڑھی رکھ دینے سے، کسی پر استہزاء وتمسخر سے، آتش بازیوں، پتنگ بازیوں اور کھیل کود، شور وغل اور لڑائی جھگڑوں وغیرہ سے باز رہو۔ ایک حدیث شریف میں مسلمان ایسے شخص کو کہا گیا ہے جس کی اذیت سے دوسرے محفوظ رہیں۔ راستوں سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانا اسلامی اخلاق کا حصہ تو ہے ہی، انسانیت کا بھی تقاضا ہے۔

۳) ردالسلام: تیسرا حق یہ بتلایا کہ کوئی مسلمان تمہیں دیکھ کر سلام کرے اس کو سلام کا جواب دو، کیوں کہ یہ حقوقِ مسلم میں سے ہے، اور سلام کو رواج دینا باہمی الفت ومحبت کو بڑھانے، اتحاد ویگانگت کی فضا بنانے کا موثر ذریعہ بھی ہے؛ ہاں اگر کوئی اجنبیہ یا نامحرم سلام کرے تو اس کا جواب آپ کے ذمے لازم نہیں۔

(بقیہ صفحہ: ۳۴ پر)

پیش گفتار

گذشتہ پانچ ماہ سے ادارے میں جاری تعمیری کاموں کی نگرانی اور بعض اہم کتب کی تدریسی مصروفیت نے راقم سطور کو اتنا مشغول کرلیا کہ ''اشرف الجرائد'' کے قارئین سے مخاطبت کا موقع نہ مل سکا، گذشتہ ماہ بھی تازہ تحریر پیش نہ کی جاسکی، جس کے لئے قارئین سے معذرت خواہ ہوں، اب الحمدللہ کچھ کام ہوگیا ہے، امید ہے کہ اگلے شماروں کے ''پیش گفتار'' میں حاضرِ خدمت رہ سکوں گا، وما توفیقی الا باللہ

آپ تمام حضرات سے اپنے لئے اور پوری اُمتِ مسلمہ کے لئے دعاؤں کا مُلتجی ہوں، حق تعالیٰ پورے عالم میں اُمت کی حفاظت فرمائے، اور مشکل حالات سے بہ سلامتی نکل آنے کے اسباب پیدا فرمائے۔ آمین

مدیر

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

ام المؤمنین حضرت سودہؓ

ام المؤمنین سودہ بنت زمعہ بن قیس قرشی عامری ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد نبی کریم ﷺ کا سب سے پہلے ان سے نکاح ہوا، یہ تین سال یا اس سے زائد تنِ تنہا حضور اکرم ﷺ کی زوجیت میں رہنے کے بعد حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کی زوجیت میں آئیں۔آپ اولین اسلام قبول کرنے والوں میں سے ہیں۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ انہوں نے پہلے ہی مکہ میں قبول اسلام کیا اور ان کے شوہر سکران بن عمر بھی ان کے ساتھ مسلمان ہوئے اور ان دونوں نے حبشہ کی ہجرت فرمائی۔

عقل منداور حضور ﷺ کی محبت کی رعایت کرنے والی خاتون:

انہوں نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عنایت فرمادیا تھا، مقصود رسول اللہ ﷺ کی دل جوئی تھی اور چونکہ یہ عمر دراز بھی تھیں۔

ترمذی کی روایت میں ہے حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت سودہؓ کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں نبی کریم ﷺ ان کی درازگئ عمر کی وجہ سے ان کو طلاق نہ دے دیں، اس لئے انہوں نے کہا کہ: اے اللہ کے رسول! مجھے طلاق نہ دیں اور میرا دن حضرت عائشہؓ کو مرحمت فرمائیں اور شریعت میں اس طرح کی صلح جائز ہے۔

وہ جنت میں نبی کریم ﷺ کی ازواج میں باقی رہنا بھی چاہتی تھیں، تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی چاہت اور محبت میں اپنی باری کا دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مرحمت فرمادیا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا احترام کرنا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے کسی عورت کے سلسلے میں یہ نہیں چاہا کہ میں اس کے طریقہ کار اور سیرت پر ہوتی سوائے حضرت سودہؓ کے (میں تمنا کرتی میں ان کی عادات واطوار کی حامل ہوتی)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور سودہ رضی اللہ عنہا کے مابین مزاح ومذاق:

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سودہؓ کے گھر میں تھے اور ان کی باری کا دن تھا، حضرت عائشہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک حلوہ پکایا اور حضرت سودہؓ کے گھر پر لائیں اور لاکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھ دیا، اور حضرت سودہؓ بھی سامنے بیٹھی ہوئی تھیں، ان سے کہا کہ: تم بھی کھاؤ، حضرت سودہؓ کو یہ بات گراں لگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جب میرے یہاں باری کا دن تھا تو پھر یہ حلوہ پکا کر کیوں لائیں؟ اس لئے انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا، حضرت عائشہؓ نے وہ حلوہ حضرت سودہؓ کے منہ پر مل دیا، حضرت سودہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ: قرآن میں آیا ہے کہ ''وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا'' یعنی اگر تمہارے ساتھ کوئی برائی کرے تو تم بھی بدلے میں اسی کے بقدر برائی کرو؛ لہذا بدلہ میں تم بھی ان کے منہ پر حلوہ مل دو؛ چنانچہ حضرت سودہؓ نے تھوڑا سا حلوہ اٹھا کر حضرت عائشہؓ کے چہرے پر مل دیا، اب دونوں کے چہرے پر حلوہ ملا ہوا ہے، یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہو رہا ہے، اس دوران حضرت عمرؓ کی آمد ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو منہ دھونے کو کہا (مسند ابی یعلی: مسند عائشہ: حدیث: ۴۴۷۶، دار المأمون، دمشق، الطبعۃ الأولی ۱۴۰۴ھ، مجمع الزوائد: باب عشرۃ النساء: حدیث: ۷۶۸۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سودہؓ کی بات پر ہنس پڑے:

حضرت ابراہیم سے منقول ہے کہ حضرت سودہؓ فرماتی ہیں: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل میں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنا لمبا رکوع کیا کہ میں اپنی ناک پکڑ کر رہ گئی مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ میری ناک سے خون کے قطرے نہ ٹپک جائیں۔

نیک عورت کو اجازت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب ہم نے مزدلفہ میں قیام کیا تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سودہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں کے اژدہام کی وجہ سے پہلے روانہ ہونے کی اجازت لی، وہ بھاری بھرکم بدن کی خاتون تھیں، اس لیے آپ نے اجازت دے دی، چنانچہ وہ اژدہام سے پہلے روانہ ہوگئیں۔ لیکن ہم وہیں ٹھہرے رہے اور صبح کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ گئے اگر میں بھی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لیتی تو مجھ کو تمام خوشیوں سے زیادہ یہ پسند ہوتا۔ (بخاری)

ان کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دور خلافت میں ہوئی، یہی بات زیادہ مشہور ومعروف ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کی پھوپھی:

صفیہ بنت عبدالمطلب، ہاشمی، یہ حضرت حمزہ کی حقیقی بہن ہوتی ہیں، ان سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بھائی حارث نے نکاح فرمایا، وہ انتقال فرما گئے، تو ان سے عوام نے جو حضرت سیدہ خدیجہ بنت خویلد کے بھائی تھے انہوں نے نکاح کیا تو ان سے تین لڑکے: زبیر، سائب اور عبدالکعبہ تولد ہوئے، آپ ﷺ کی پھوپیوں میں حضرت صفیہؓ ہی مشرف باسلام ہوئیں۔

صبر وضبط اور ثواب آخرت کا یقین رکھنے والی عورت:

انہوں نے اپنے بھائی حضرت حمزہ کی شہادت پر صبر وضبط سے کام لیا، ثواب آخرت کی نیت کی، اولین مہاجرات میں اُن کا شمار ہوتا ہے۔

غزوہ خندق میں ان کی بہادری:

غزوۂ خندق کے موقع پر جب ہر طرف سے دشمنوں نے مسلمانوں کا سرے سے خاتمہ کرنے کے لئے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا، اس وقت مسلمان عورتوں کو قلعہ بنی حارثہ میں محفوظ کر دیا گیا تھا، تاکہ انہیں کوئی گزند نہ پہنچے، قلعہ پر حفاظت کے لئے حسان بن ثابتؓ جو ضعیف اور کمزور تھے مامور تھے، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ ایک یہودی نے یہ دیکھ کر مسلمان ادھر پھنسے ہیں، ادھر اس قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے، وہ یہودی پھاٹک تک پہنچ چکا تھا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی ماں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جو رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں، آگے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر میدان میں پھینک دیا، یہ دیکھ کر بنو قریظہ سمجھے کہ قلعے میں بھی کچھ فوج ہے اس لئے ادھر جانے کی ہمت نہ کی۔ (سیرت ابن ہشام: ۲۳۹/۳)

ان کی سن وفات سن ۲۰ ہجری ہے، یہ بقیع میں مدفون ہوئیں، ان کی عمر ستر سے اسی کے آس پاس تھی۔

ماہنامہ اشرف الجرائد حیدرآباد

ایک عظیم اصلاحی ودعوتی تحریک کا نام ہے۔ آپ بھی اس میں شریک ہو جایئے اور اپنے دوست واحباب کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

یہ ماہنامہ www.Idara.info پر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

مجالسِ نبوی

از: مولانا الیاس ندوی بھٹکلی*

اے خاتون! اللہ سے ڈر اور صبر کر

گاہے بہ گاہے قبرستان تشریف لے جانا اور وہاں مدفون مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کرنا؛ یہ آپ ﷺ کے معمولات میں شامل تھا۔

آج جنت البقیع میں حاضری کے دوران رحمت عالم ﷺ کا گذر ایک ایسی خاتون کے پاس سے ہوا جو ایک قبر کے کنارے بیٹھ کر اپنے بچہ کی وفات اور جدائی پر رو رہی تھی، آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا:

اے خاتون: اللہ سے ڈر اور صبر کر۔

اس خاتون نے جواب دیا: آپ کو کیا پتہ؟ کس آزمائش میں میں مبتلا ہوں۔

اس کا یہ جواب سن کر آپ آگے بڑھ گئے۔

یہ ماجرا دیکھ کر ایک شخص نے اس خاتون کے پاس جا کر کہا کہ تمھیں پتہ بھی ہے؟ تم سے جو مخاطب تھے وہ اللہ کے رسول ﷺ تھے۔

یہ سن کر اس کی حالت ناقابل بیان ہوگئی، ایسا لگا جیسے اس کی موت ہوگئی، وہ اسی وقت دوڑی آپ ﷺ کے گھر آئی اور عرض کیا:

سرکار! میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔

رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

اصل صبر تو وہ ہے جو صدمہ لاحق ہونے کے فوراً بعد کیا جائے۔ (صحیح البخاری کتاب الجنائز: ۱۲۸۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ابن آدم! جب میں تم سے تمھاری کوئی محبوب چیز واپس لوں اور تم کو صدمہ لاحق ہو، اگر تم اس پر صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو تو تمھارے لیے میں جنت کے سوا کسی اور چیز پر راضی نہیں ہوتا۔ (مسند احمد ۵/ ۲۵۸۔۲۵۹)

(ماخوذ از: مجالس نبوی صفحہ: ۵۶)

*استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اسلامیہ بھٹکل

گوشۂ سیرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی ___ دروس ونصائح

محمد شمیم اکرم رحمانی

اسلام ایک ابدی مذہب اور سرمدی اصول ہے امن وسلامتی کا ذریعہ اور صلح وآشتی کا سرچشمہ ہے قبل از اسلام دنیا کے حالات ناگفتہ بہ تھے سیکڑوں خرابیاں اور بے شمار برائیاں سماج میں رائج تھیں توحید کی جگہ شرک، خیر کی جگہ شر اور عدل وانصاف کی جگہ ظلم واستبداد نے لے لی تھی عورتیں محض ساز وسامان اور شہوت رانی کا درجہ رکھتی تھیں چھوٹی موٹی باتوں پر بھی اگر جنگ شروع ہوجاتی تو وہ جنگ چالیس چالیس ساں تک جاری رہتی، شراب نوشی، جوئے بازی اور اوہام پرستی ان کے رگ وریشے میں سمائی ہوئی تھی، انسانیت سسک رہی تھی، بلک رہی تھی، آہ آہ کررہی تھی، اور کسی ایسی شخصیت کا انتظار کررہی تھی جو سارے جہاں کا درد اپنے دل میں سمیٹ سکے اور بداعمالیوں کیخلاف ایک تحریک چھیڑے کمزوروں کے استحصال کو روکے۔ بالآخر خالق دوجہاں نے دنیا میں رحم وکرم کے جھونکے چلائے اور ظلم وبربریت کی تاریکی میں ہدایت کا سورج طلوع ہوا پیر کا دن تھا اور ربیع الاول کی 9 یا 12 تاریخ جب محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔

دھیرے دھیرے وقت گزرتا رہا عمر بڑھتی رہی یہاں تک کہ زندگی کے مختلف مراحل طے کرتے ہوئے آپ چالیس سال کے ہوگئے اور اللہ رب العزت نے آپ کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا اور آپ کار نبوت کی انجام دہی میں مشغول ہوگئے تقریبا تین سالوں تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خفیہ تبلیغ کی جس کے نتیجے میں تقریبا چالیس لوگ دامن اسلام سے وابستہ ہوئے اس دوران حضرت ارقم کا گھر اسلام کا مرکز رہا حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا گھر صفا کی پہاڑی پر ایک محفوظ جگہ میں واقع تھا جو لوگ مسلمان ہوکر آتے یہیں ان کی تربیت ہوا کرتی تھی؛ لیکن اب وقت آچکا تھا کہ کھلم کھلا اسلام کی دعوت دی جائے اسلام کے پیغام کو عام کیا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعلانیہ تبلیغ کا حکم دے دیا پھر کیا تھا جو باتیں خفیہ کی جاتی تھیں اب کوہ صفا پر چڑھ کر کی جانے لگیں سیکڑوں خداؤں کو چھوڑ کر ایک خدا کی پرستش کی دعوت وکانوں، مکانوں، اور خانۂ کعبہ میں بیٹھ کر دی جانے لگی مظلوموں، بے کسوں، عورتوں، اور غلاموں کی حمایت میں صدائیں بلند ہوئیں گویا کہ بدکرداریوں اور بداعمالیوں کے خلاف

پوری قوت اور مکمل اعتماد کے ساتھ آپ ﷺ نے ایک تحریک چھیڑ دی تھی، ہونا تو یہ چاہیے کہ لوگ آپ کا ساتھ دیں آپ ﷺ کی راہوں میں پھول بچھائیں اور ہر طرح سے آپ ﷺ کا ساتھ دیکر اس تحریک کا حصہ بن جائیں لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ وہی ہوا جو صدیوں سے ہوتا چلا آرہا ہے لوگ حق و ناحق کو عقل سے نہیں بلکہ اپنے آباء واجداد کی محبت کے پیمانے سے ناپتے ہیں قدیم رسم ورواج کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں چونکہ آپ ﷺ کفار مکہ کے آباء واجداد کے مذہب کے خلاف خدا کا دین پیش کررہے تھے اس لئے انہوں نے نہ صرف یہ کہ قبول نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ پر مصائب وآلام کے پہاڑ توڑے، ظالموں نے پھول کی جگہ کانٹے بچھائے پتھر برسائے عبادت کے دوران جسم پر اوجھڑی ڈالی وہ زبانیں جو کبھی الصادق اور الامین کہہ کر پکارا کرتی تھیں تلخ نوائی اور ہذیان گوئی پر آمادہ ہوگئیں جو لوگ مسلمان ہوئے انہیں سخت ترین اذیتیں پہونچائی گئیں لیکن کسی کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی سیرت کی تمام کتابیں گواہ ہیں کہ ظلم وتشدد کی اس پرخار وادیوں میں بھی آپ ﷺ نے اپنی تحریک جاری رکھی اور تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے رہے، کفار مکہ نے جب یہ محسوس کرلیا کہ ہماری اذیتیں محمد ﷺ کو اپنے مشن سے نہیں ہٹا سکیں گی تو انھوں نے مصالحت کی کوششیں کیں چنانچہ ایک دن سرداران قریش سے مشورے کے بعد عتبہ بن ربیعہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ بھتیجے تم نے جس کام کا آغاز کیا ہے اس کے ذریعہ کیا حاصل کرنا چاہتے ہو؟ اگر مال ودولت حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہم سب مل کر اتنا مال دے دیں گے کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مالدار ہوجاؤ گے اگر سرداری اور بادشاہت کی خواہش ہے تو ہم سب تمہیں اپنا سردار اور بادشاہ بنانے کیلئے بھی تیار ہیں اگر کسی خوبصورت لڑکی سے شادی کرنے کی چاہت ہے تو ہم اس کے لئے بھی راضی ہیں اگر آسیب زدہ ہو تو ہم ماہر اطباء کو بلا کر تمہارا علاج بھی کرا سکتے ہیں لیکن تم اپنے مشن سے ہٹ جاؤ جب عتبہ ساری باتیں کہہ چکا تو آپ ﷺ نے فرمایا اب میری بھی سن لیجئے پھر سورہ حم السجدہ کی ابتدائی آیتیں آپ ﷺ نے تلاوت فرمائیں تلاوت کہ دوران ہی عتبہ کے بدن پر کپکپی طاری ہوگئی اور اس نے کہا بس کرو بھتیجے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکا اور وہاں سے اٹھ کر سیدھا سرداران قریش کی محفل میں پہونچا اور ان سے کہا کہ محمد ﷺ جو کلام پیش کرتے ہیں میں نے ویسا کلام کبھی نہیں سنا نہ وہ شعر ہے نہ کہانت ہے اور نہ سحر تم لوگ محمد ﷺ کو اپنی حالت پر چھوڑ دو۔ سرداران مکہ نے عتبہ کی باتوں کو ٹال دیا اور یہ کہا کہ عتبہ پر بھی محمد ﷺ کی زبان کا جادو چل چکا ہے چنانچہ انہوں نے مزید کوشش کرتے ہوئے حضرت ابوطالب سے کہا کہ اگر ممکن ہو تو آپ اپنے بھتیجے کو سمجھالیں یا ہم سے جنگ کیلئے تیار ہوجائیں چنانچہ حضرت ابوطالب نے آپ ﷺ کو سمجھانے کی کوشش کی اور کہا کہ بھتیجے برداشت سے زیادہ بوجھ مجھ پر مت ڈالو بوڑھے چچا کی بات سن کر

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشکبار ہو گئے پھر فرمایا چچا جان اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند رکھ دیں تب بھی میں اپنے مشن سے نہیں ہٹ سکتا آپ کے پہاڑ جیسے ارادے کو دیکھ کر چچا ابو طالب نے کہا پھر ٹھیک ہے جو کر رہے ہو کرتے رہو کوئی تمہارا کچھ نہیں کر سکتا۔

جب قریش مکہ کی مصالحت کی یہ کوشش بھی بار آور نہیں ہوئی تو انھوں نے آپ کا اور آپ کے خاندان کا معاشرتی مقاطعہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور آپ کے خانداں سے ہر طرح کے تعلقات توڑ لیے گئے جس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے خاندان کے ساتھ شدید ترین مشکلات کا سامنا کرنا پڑا حالات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بھوک کو مٹانے کے لئے بعض اوقات درختوں کی جڑیں اور پتے چبانے پڑتے تھے پیٹ پر کھجور کے تنے یا چمڑے باندھنے پڑتے تھے تین سالوں تک یہ مقاطعہ جاری رہا۔

نبوت کے دسویں سال ام المومنین حضرت خدیجہ اور چچا حضرت ابو طالب کا انتقال ہو گیا یہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے ہمدرد تھے کفار مکہ کے مقابلے میں مضبوط سہارا تھے ان دونوں کے انتقال کے غم نے آپ کو ہلا کر رکھ دیا تھا غم کی شدت کا انداز ا اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سال کو عام الحزن قرار دیا تھا لیکن آپ چونکہ اشاعت اسلام کیلئے ہمیشہ فکر مند رہتے تھے اسلئے اسی سال قریش مکہ کی بے رخی کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف کا سفر کیا کہ شاید وہاں کی سرزمین کہیں نرم ہو لیکن اہل طائف نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو معاملہ کیا سن کر صحیح ضمیروں کی چیخیں نکل جاتی ہیں پورا شہر آپ کے خون کا پیاسا ہو گیا غنڈے اور اوباش قسم کے لوگ آپ کے پیچھے لگا دئے گئے جو چیل کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ٹوٹ پڑے انھوں نے جی بھر کر آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیں تالیاں بجائیں اور پتھر برسائے کتب سیر کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین مبارک خون سے رنگین ہو گئے تھے بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک باغ میں پناہ لی پھر مکہ لوٹ آئے سفر طائف کی ناکامی کی وجہ سے آپ کا جسم اور دل زخمی ہو چکا تھا اللہ تعالیٰ نے اس زخم کو مندمل کرنے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کا تحفہ عطا فرمایا۔

ایک بار کی بات ہے کہ آپ حج کے زمانے میں حسب معمول قبائل سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے آپ کی ملاقات مدینہ کے ایک وفد سے ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دین کی دعوت دی اور چھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا پھر واپس چلے گئے اور آئندہ سال حج میں ملنے کا وعدہ بھی کر گئے چنانچہ دوسرے سال پھر بارہ لوگ آئے جن میں پانچ گزشتہ سال کے اہل ایمان تھے اور مشرف بہ اسلام ہو کر واپس لوٹے آئندہ سال پھر تقریبا پچھتر لوگ آئے اور دامن اسلام سے وابستہ ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی درستگی کے

لئے بارہ نقباء بھی مقرر فرمادئے اہل مدینہ نے اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدینہ کو مرکز بنانے کی درخواست کی جسے آپ نے قبول فرمالیا پھر وہ لوگ مدینہ لوٹ گئے۔

جب مدینہ کی سرزمین خدمت دین کیلئے تیار ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو ہجرت مدینہ کی خبر سنادی چنانچہ صحابہ کرام ایک ایک دو دو کر کے مدینہ ہجرت کر گئے ام المومنین حضرت خدیجہ اور چچا ابوطالب کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے کچھ لوگ حبشہ ہجرت کر گئے تھے وہ بھی مدینہ آ گئے اور مکہ میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے علاوہ چند کمزور مسلمان بچ گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی حکم الٰہی کے منتظر تھے بالآخر آپ کو بھی حضرت ابوبکر کی رفاقت میں ہجرت کا حکم مل گیا حضرت ابوبکر بھی مکمل تیار تھے قریش مکہ نے جب دیکھا کہ ہر طرف سے مسلمان مدینہ میں جمع ہو رہے ہیں تو انھیں اس بات کا قوی اندیشہ ہوا کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مدینہ چلے جائینگے اس سلسلے میں مشورہ کیا اور ہر قبیلہ سے ایک نوجوان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے محاصرہ کے لئے تیار کرلیا تاکہ بنو ہاشم تمام قبیلوں کی اتحاد کی وجہ سے قتل کا بدلہ نہ لے سکیں اللہ تعالیٰ نے اس منظم سازش کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جگہ پر حضرت علی کو سلا دیا اور ساری امانتیں حضرت علی کے حوالے کر دیں اور خاک چھینٹتے ہوئے باہر آ گئے دشمنان اسلام کو کچھ پتہ نہیں چل سکا حضرت ابوبکر کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے وہ خوش نصیب تو پہلے سے ہی تیار تھے دو اونٹنیاں بھی تیار کر رکھی تھی اور ایک راہ شناس بھی متعین کرلیا تھا، اس طرح سے ایک چھوٹا مگر معزز ترین قافلہ مدینہ جانے کیلئے تیار ہو گیا بلکہ راہ کے مختلف مراحل طے کرتے ہوئے مدینہ پہنچ گیا اس طرح سے تیرہ سالہ ظلم وتشدد کا خاتمہ ہوا اور اسلامی تاریخ کے روشن دور کا آغاز ہوا نبوت کے حصے میں باقی ماندہ دس سال کی مدت میں دہشت گردی کے خاتمہ کیلئے کفار مکہ سے مختلف جنگیں ہوئیں اور دنیا میں ایک حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرہ سالہ مکی زندگی سے امت محمدیہ کو یہ سبق ملا کہ امت محمدیہ جہاں کہیں بھی رہیں مذہبی تشخص کی بقاء کے لئے ہر ممکن کوشش کریں اشتعال سے گریز کریں پریشانیاں تو آئینگی اور آتی رہیں گی پریشانیوں سے گھبرائے بغیر حسب استطاعت لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کراتے رہیں صبر واستقامت کے ساتھ رنجشوں کا مقابلہ کریں اپنے اخلاق اتنے اونچے بنائیں کہ دشمن بھی بہتر اخلاق کی گواہی دیں اور اسلامی تعلیمات پر عمل کو حرز جاں بنالیں مسلمان جب ایسا کریں گے تو اللہ تعالی کی مدد ہوگی کشادگی کی راہیں کھلیں گی کامیابیاں آگے بڑھ کر قدم چوم لیں گی اور سازش کرنے والوں کی سازشیں دھری کی دھری رہ جائینگی انشاءاللہ۔

گوشۂ سیرت

نازاں ہے؛ جس پہ حُسن وہ حسنِ رسول ہے

از: رضوان اللہ پشاوری

ویسے تو دنیا نے بہت سے حسینوں کو دیکھا ہوگا مگر ان سب میں میرے آقا، آقائے نامدار، محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ، رسولِ عربی ﷺ کی شان کچھ اور ہے، آیئے آقائے نامدار ﷺ کے حسین حلیہ مبارکہ کو دل و دماغ کے دریچوں میں محفوظ کر لیجئے۔

حسن و جمال کی ایک جھلک

☆ حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور خوب سیرت تھے، نہ دراز قد اور نہ پست قامت۔ (صحیح البخاری، جلد ۲، صفحہ ۵۶۴)

☆ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا چہرۂ اقدس پُرنور اور انتہائی خوبصورت تھا جب کوئی آپ ﷺ کے چہرہ کی رعنائی بیان کرتا تو چودھویں کے چاند سے تشبیہ دیتا، یعنی لوگوں کو آپ ﷺ کا روئے زیبا چمکتے ہوئے چاند کی طرح جگمگاتا نظر آتا۔ (دلائل النبوۃ، جلد ۱، صفحہ ۲۹۸)

☆ حضرت کعب بن مالکؓ کا بیان ہے کہ جب میری جنگ تبوک میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے توبہ قبول ہوئی تو میں نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور سلام کیا، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک مارے خوشی کے چمک رہا ہے اور آپ ﷺ خاموش ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ ایسے دمک اُٹھتا گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے۔ (صحیح البخاری، جلد ۲، صفحہ ۵۶۵)

☆ حضرت ام معبدؓ نے آپ ﷺ کے حسن سراپا کا یوں نقشہ کھینچا ہے! میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا جو رنگت کی چمک دمک اور چہرے کی تابانی لئے ہوئے تھا، دور سے دیکھنے میں سب سے خوبصورت اور وجیہ اور قریب سے دیکھنے میں انتہائی جاذب نظر و پر جمال۔ (مستدرک حاکم، جلد ۳، صفحہ ۹)

☆ حضرت جابرؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک تلوار کی طرح (چمکدار اور لمبا) تھا؟ فرمایا کہ نہیں! بلکہ سورج اور چاند کی طرح روشن اور گول تھا۔ (مسند امام احمد، جلد ۵، صفحہ ۱۰۴)

پرکشش رنگت

☆ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نہ دراز قد تھے نہ پست قامت بلکہ آپ کا قد وقامت درمیانہ تھا، آپ ﷺ کا رنگ مبارک نہ تو چونے کی طرح خالص سفید اور نہ گندمی کہ سانولا نظر آئے بلکہ گورا چمکدار تھا، آپ ﷺ کے بال نہ زیادہ پیچ دار اور نہ بالکل سیدھے تنے ہوئے بلکہ ہلکا سا خم لئے ہوئے تھے، آپ ﷺ پر وحی کا آغاز چالیس سال کی عمر میں ہوا پھر اس کے بعد دس سال مکہ میں رہے اور دس سال مدینہ میں قیام فرمایا، وفات کے وقت سر اور داڑھی مبارک میں بمشکل بیس بال سفید تھے۔ (صحیح البخاری، جلد ۲، صفحہ ۵۶۴)

☆ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا روئے زیبا سفید ہلکی سی سرخی لئے ہوئے تھا۔
(مسند امام احمد، جلد ۱، صفحہ ۹۶)

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے جسم مبارک کا وہ حصہ جو دھوپ اور ہوا میں کھلا رہتا تھا وہ سرخی مائل اور جو حصہ کپڑوں میں چھپا رہتا وہ سفید چمکدار تھا۔

☆ حضرت محرش الکعبیؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے عمرہ کے لیے ''مقام جعرانہ'' سے رات کے وقت احرام باندھا میں نے آپ ﷺ کی کمر دیکھی جو رنگت میں سفید گویا کہ چاند سے ڈھلی ہوئی تھی۔
(مسند امام احمد، جلد ۳، صفحہ ۴۲۶)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا رنگ انتہائی خوبصورت، سفید سرخی مائل تھا اور بدن بدن کا وہ حصہ جو کپڑوں یا بالوں کی وجہ سے چھپا رہتا تھا وہ اور بھی حسین وجمیل، سفید اور چمکدار تھا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

☆ حضرت ابو ہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا رنگ سفید چمکدار تھا گویا کہ چاندی سے بدن ڈھلا ہوا ہے اور بال قدرے خمدار تھے۔ (دلائل النبوۃ، جلد ۱، صفحہ ۱۷۹)

☆ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بدن کے جن حصوں پر بال یا کپڑا نہ ہوتا وہ بھی شفاف اور انتہائی خوبصورت تھے۔ (شمائل الترمذی مترجم، صفحہ ۲۰)

دلکش آنکھیں

☆ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بڑی بڑی سرخی مائل آنکھیں، پلکیں دراز اور داڑھی گھنی تھی۔ (مسند امام احمد، جلد ۱، صفحہ ۸۹)

☆ حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا رنگ گورا، چہرے میں قدرے گولائی، آنکھیں کشادہ، سیاہ اور پلکیں طویل تھی۔ (دلائل النبوۃ، جلد ۱، صفحہ ۲۱۲)

☆ حضرت جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں سرمگیں تھیتم دیکھتے تو کہتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے حالانکہ سرمہ نہ لگا ہوتا۔ (مسند امام احمد، جلد ۵، صفحہ ۱۹۷)

☆ حضرت ام معبدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں انتہائی سیاہ اور کشادہ تھی۔ (مستدرک حاکم، جلد ۳، صفحہ ۱۰)

خوبصورت اَبرو

☆ حضرت ام معبدؓ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پلکیں دراز اور ابرو باریک اور پیوستہ تھے۔ (مستدرک حاکم، جلد ۳، صفحہ ۱۰)

☆ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابرو قوس کی طرح خمدار، باریک اور گنجان تھیں لیکن دونوں جدا جدا اور ان کے درمیان ایک رگ کا اُبھار تھا جو غصہ آنے پر نمایاں ہو جاتا تھا۔
(شمائل الترمذی مترجم، صفحہ ۲۰)

☆ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کشادہ اور روشن پیشانی پلکیں دراز اور ابرو کے درمیان فاصلہ تھا۔ (دلائل النبوۃ، جلد ۱، صفحہ ۲۱۶)

☆ حضرت ابو امامہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ گورا، خوبصورت جس میں ہلکی سرخی نمایاں، قدرے خمیدہ بال، قدرتی طور پر سُرمگیں آنکھیں اور پلکیں طویل تھی۔ (طبقات ابن سعد، جلد ۱، صفحہ ۴۱۶)

☆ حضرت عائشہؓ فرماتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں ابرو کا درمیانی فاصلہ ڈھلی ہوئی خالص چاندی کی طرح سفید اور چمکدار تھا۔ (دلائل النبوۃ، جلد ۱، صفحہ ۲۹۸)

دہن دل ربا

☆ حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دہن مبارک بہت حسین اور خوبصورت تھا۔ (دلائل النبوۃ، جلد ۱، صفحہ ۳۱۷)

☆ حضرت یزید الفارسی خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے شرف یاب ہوئے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندہ رو یعنی مسکراہٹیں بکھیر رہے ہیں (حضرت ابن عباسؓ نے بحالت خواب دیکھے ہوئے حلیہ کی تصویب فرمائی)۔ (شمائل الترمذی مترجم، صفحہ ۴۵۷)

☆ حضرت ابو قرصافہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیکھتے وقت ایسا معلوم ہوتا گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ سے نور کی کرنیں نمودار ہو رہی ہیں۔ (مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی، جلد ۸، صفحہ ۲۸۰)

چمکدار دندانِ مبارک

☆ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دانت باریک خوبصورت اور آبدار تھے ان کے درمیان خوشنما ریخیں تھیں۔ (شمائل الترمذی، صفحہ ۶۰)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ پہلے پہلے جب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق علم ہوا تو میں چچاؤں کے پاس مکہ مکرمہ آیا، اہل خانہ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کی طرف مجھے بھیجا، جب میں ان کے پاس آیا تو وہ بئر زم زم سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا اچانک دیکھتا ہوں کہ باب صفا سے ایک صاحب برآمد ہوئے جن کا رنگ گورا سرخی مائل، قدرے خمیدہ بال، جو کانوں کی لوؤں تک بڑھے ہوئے (ناک بلند آگے سے ذرا جھکی ہوئی) اولوں کی طرح سفید اور آبدار دانت، گہری سیاہ آنکھیں، گھنی داڑھی تھی۔ (حلیۃ الاولیاء)

☆ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی بیشتر ہنسی تبسم کی صورت میں تھی) مسکراتے تو دانت اولوں کی طرح چمکتے۔ (شمائل الترمذی)

خوبصورت سُتواں ناک

☆ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناک مبارک بلندی مائل سامنے سے قدرے جھکی ہوئی تھی اس پر نورانی چمک جس کی وجہ سے سرسری نظر میں بڑی اونچی معلوم ہوتی۔

(شمائل الترمذی، مترجم، صفحہ ۲۰)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بینی مبارک اعتدال کے ساتھ اونچی تھی۔ (حلیۃ الاولیاء، جلد ۱، صفحہ ۱۷۲)

☆ عدوی قبیلے کا ایک آدمی اپنے دادا سے بیان کرتا ہے (جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسین سیمابی جسم تھا، کندھوں تک بڑھے ہوئے خوبصورت بال اور ناک سُتواں تھی۔

(دلائل النبوۃ، جلد ۱، صفحہ ۲۴۸)

حسین رخسار

☆ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار مبارک ہموار اور ہلکے، البتہ نیچے کو ذرا سا گوشت ڈھلکا ہوا تھا۔ (شمائل الترمذی مترجم، صفحہ ۲۰)

☆ حضرت ابوہریرۃؓ سے کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے

فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے حد روشن جبین تھے جب رات کی تاریکی یا پو پھٹنے کے وقت آتے (یا لوگوں کے مجمع میں رونما ہوتے) تو سیاہ بالوں کے درمیان بالخصوص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابناک اور کشادہ پیشانی روشن پراگ کی طرح جگمگا اٹھتی تھی۔ (دلائل النبوۃ)

☆ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ گورا سرخی مائل، آنکھیں نہایت سیاہ، بال قدرے خمیدہ، گنجان داڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار ہلکے اور ہموار تھے۔ (طبقات ابن سعد، جلد ۱، صفحہ ۴۱۰)

☆ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار مبارک ہلکے اور ہموار تھے جن میں ابھار تھا نہ بلندی۔ (دلائل النبوۃ، جلد ۱، صفحہ ۳۱۷)

پُرنور پیشانی

☆ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کشادہ جبین تھے۔

(شمائل الترمذی مترجم، صفحہ ۲۰)

☆ حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک کھلی، چمکدار اور پلکیں دراز تھیں۔ (دلائل النبوۃ، جلد ۱، صفحہ ۳۱۷)

یہ بچے ہمارے ہیں

۱۹۹۰ء کے ٹائمز میں یہ خبر چھپی کہ ۲۰ یا ۵۰ سال کے بعد پوری دنیا پر اسلام کا غلبہ ہوگا انگلیڈ وغیرہ کے ماہرین اکھٹے ہوئے۔۔۔کافی غور وفکر کے بعد کچھ سمجھ نہ آیا۔۔۔ آخر کار روم میں جان پال پوپ سیکنڈ کے پاس مسئلہ لے کر گئے۔۔۔

تو اس نے ایک سوال کیا کہ یہ بتاؤ کہ مسلمانوں کے بچے زیادہ تر اسکولوں اور خاص طور پر انگلش میڈیم اسکولوں میں پڑھتے ہیں یا مدرسے میں؟۔۔۔۔

تو ماہرین نے کہا کہ ۸۰ رفی صد سے زیادہ بچے اسکولوں میں پڑھتے ہیں اور بہت کم بچے مدارسِ دینیہ میں پڑھتے ہیں۔۔۔تو پوپ نے ایک فقرہ کہا:

کانوں میں روئی ڈال کر سو جاؤ۔۔۔فکر نہ کرو۔۔۔

یہ بچے ہمارے ہیں۔۔۔۔مسلمانوں کے نہیں

شعروادب

ڈاکٹر کلیم عاجزؔ کی نعتیہ شاعری

بہ قلم: مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانیؔ

سید الکونین، امام الثقلین، محسن اعظم، رسول اکرم ﷺ سے والہانہ عقیدت ومحبت جز وایمان اور لازمۂ اسلام ہے، اس کے بغیر دین وایمان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، محبت کے یہی جذبات جب شعر ونظم کے پیکر میں ڈھلتے ہیں تو انہیں نعت کہا جاتا ہے رسول اکرم ﷺ کی مدح وستائش اور آپ ﷺ کے اوصاف کریمہ کا بیان باعثِ شادابیِ ایمان اور ذریعۂ نجات وغفران ہے۔

نعت کہنا دودھاری تلوار پر چلنے کے مترادف ہے؛ جس کے لیے ایک جانب فنِ شاعری پر کامل دست رس زبان وبیان پر مکمل عبور، وسیع مطالعہ اور ادبی شعور ضروری ہے تو دوسری جانب اثر انگیز نعت کیلئے حضورِ والا سے ایک نسبتِ خاص کا ہونا اور گام بہ گام ان کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھنا بھی لازم ہے۔ کیوں کہ ؎

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

نعت گوئی کا فن گویا پل صراط کا سفر ہے، جس میں قدم بہ قدم لغزش پا کا خطرہ دامن گیر رہتا ہے، خدا اور رسول کے مابین فرق وامتیاز کی جو فصیل ہے، علماء سوء نے اسے گرادینے کی ہمیشہ سعی نا تمام کی ہے، جس کی بناء پر بیش تر شعراء کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں اور جادۂ حق پر برقرار نہیں رہ پاتے؛ مگر حق پرست شعراء نے حدود وقیود کو قائم رکھتے ہوئے آپ ﷺ کی توصیف وثناء کی ہے کررہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

ماضی قریب کے ممتاز صاحب طرز شاعروں میں ڈاکٹر کلیم عاجز مرحوم کا نام سرفہرست ہے، جو طرزِ خاص اور منفرد اسلوب کے حامل ایسے آفاقی شاعر ہیں؛ جنہوں نے اپنی شاعری سے ایوان غم کو روشن وفروزاں کیا اور نصف صدی سے زائد عرصہ تک کاروان علم وادب کی سالاری اور قافلۂ شعر وسخن کی رہبری فرمائی؛ بلکہ خون جگر کے ذریعہ تہذیب وثقافت کے ٹمٹماتے چراغ کو روشن رکھا اور زندگی کی آخری سانس تک اسی متاع درد کو رفیق حیات سمجھا۔

ان کی شخصیت شوق کمال اور خوف زوال سے بے پرواہ، نام ونمود سے کوسوں دور، فخر وغرور سے بے حد

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

نفور، ہمہ وقت سنجیدگی مگر نرمی وشائستگی سے عبارت تھی۔

عاجز کی شاعری میں معانی کی ندرت، خیالات کا انوکھا پن، حقائق حیات کی سچی ترجمانی اور انسانوں پر بیت رہے ظلم وستم کی کہانی کا آہنگ بہت اونچا اور نہایت شوخ نظر آتا ہے۔ شعروسخن کے رمز شناس ہونے کے ساتھ ساتھ کلیم عاجزؔ ایک بلند پایہ مبلغ، صاحب نسبت بزرگ، ذاکر وشاغل، عبادت گزار اور زاہد شب زندہ دار تھے، ان کی مکمل شخصیت درد وغم کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ غم انسان کی شخصیت میں ایک گداز پیدا کر دیتا ہے جس طرح موم حرارت پا کر پگھلتا اور پھیلتا ہے اسی طرح انسان کا دل غم اور مسلسل غم کی حرارت سے پھیل کر بڑا ہو جاتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ غم کا مقام طرب اور خوشی سے زیادہ بلند ہے اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائم الاحزان تھے، مسلسل غم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی عبارت تھی۔

عاجزؔ کا جذبِ دروں:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیر معمولی وارفتگی ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے مختلف موقعوں پر متعدد نعتیں لکھیں؛ جو دنیائے ادب میں شہرت عام اور بقائے دوام کی منزلوں سے آگے نکل گئیں۔

انھوں نے حرمین شریفین سے اپنی سچی وابستگی اور گہری عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

"آج تک کعبہ کی سرزمین سے کبھی پیٹھ نہ لگائی، کبھی پاؤں نہ پھیلایا، شاید دیوار یا ستون سے اڑ کر بھی نہیں بیٹھا۔ ایسی جرأت کی ہمت نہیں ہوتی تھی، ممکن ہے تکان میں کبھی پشت دیوار سے لگ گئی ہو، ورنہ دوزانو، یک زانو یا چارزانو نشست کے علاوہ کوئی اور نشست نہ بیت اللہ کے سامنے کبھی ہوئی نہ روضۂ اقدس میں۔ اور روضۂ اقدس کا احوال کیا بیان کروں؟" یہاں سے کعبہ، کعبہ سے مدینہ" میں تھوڑا حال ہے اور جذبؔی کی شکایت کا ذکر بھی کہ میاں تم نے تو مجھے روضۂ اقدس کے قریب چھوڑ ہی دیا۔ میں ان کے کندھے پر ہاتھ رکھے رکھے سرنگوں چند قدم روضۂ اقدس کی طرف چلا پھر میرا ہاتھ اُن کے کندھے سے اُتر کر میرے سینے پر بندھ گیا پھر رونے کے سوا مجھے کچھ یاد نہیں۔ روضۂ اقدس کے قریب ترین جو ستون ہے اس سے آگے بڑھنے کی ہمت کبھی نہیں ہوئی۔

سینے پر ہاتھ باندھے میں نے ستون سے اپنا سر ٹیک دیا، آنکھوں نے برسنا شروع کیا، تھک گیا تو اسی طرح لڑکھڑاتا واپس ہوا۔ مختصر یہ کہ پینتیس سال سے آرہا ہوں جارہا ہوں، آج تک کسی دن، کسی رات، کسی صبح، کسی شام میری نظر مقدس جالیوں کی طرف نہ اُٹھ سکی، نہ ان سے قریب ہو کر گزرنے کی ہمت ہوئی۔ پولیس کے دھکا دینے پر گزرنا بھی ہوا تو کسی گزرنے والے کی بغل کی آڑ لے لی۔ ایسا لگتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں ڈانٹ نہ دیں کہ اس نالائق کو یہاں کیوں آنے دیا۔ یہ لکھنے کو میں نے لکھ دیا، قلم تو تھرتھرایا نہیں؛ مگر مرا جسم گزرتے

ہوئے تھر تھر کانپتا ہے اور پاؤں قابو سے باہر ہو جاتے ہیں:

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

تو لکھنے کا یہ مقصد ہے کہ ایسے شخص سے جو حضور ﷺ کے مزارِ مبارک کے قریب سے گزرنے کی بھی تھرّ اتے ہوئے ہمت نہیں کر سکتا، نعت شریف لکھنے کی جرأت کیا کر سکتا ہے؟؟" (کوچۂ جاناں جاناں)

جب کبھی چوٹ لگی اُن کو پکارا کہیو:

ایک مقام پر غم جاناں اور غم دوراں کا ساتھ ساتھ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

" میرے دل میں اُن کے حسن کی جو تصویر ہے، اُن کی محبت کی جو تصویر ہے وہ اقبالؔ کے اس مصرع سے ملتی جلتی ہے:

ور حسابم را تو بینی ناگزیر — از نگاہِ مصطفی پنہاں بگیر

اے اللہ! میرا حساب جب حشر میں تو لینے لگے تو میرے حضور ﷺ کو خبر نہ ہونے دے! کہیں وہ کہہ نہ بیٹھیں کہ یہ نالائق ایسا نکلا۔ بس اس سے آگے میرا قدم نہیں بڑھتا اور کبھی نہ بڑھ سکے گا، یہاں تک بڑھتا ہے اور شاید یہیں تک رہے گا۔۔۔۔۔ بس یہیں کھڑا ہوں۔ آنکھ بند ہے پکار رہا ہوں۔

کبھی تیلہاڑہ سے پکارا:

اندھیری شب میں نہیں صبح کے اُجالے میں
لٹا ہے اُن کے غلاموں کا قافلہ کہیو

کبھی فلسطین میں آگ لگی تو پکارا:

اُن سے اے بادِ صبا حال ہمارا کہیو
غم سے تڑپے ہے کوئی درد کا مارا کہیو

جب اسرائیلی تلوار نوجوانانِ ہاشم پہ چلی تو پکارا:

زخم کھائے ہوئے سرتا بہ قدم آئے ہیں
ہانپتے کانپتے اے شاہِ امم آئے ہیں

مشرقی پاکستان ٹوٹ رہا تھا تو عرض کیا:

اے بادِ صبا کہیو ان سے وہ جن کی کملیا کالی ہے
اب ان کے غلاموں کے گھر کی دیوار اُلٹنے والی ہے

براہِ راست مخاطب ہونے کی گستاخی بھی کرنے کی تو ہمت نہیں ہوتی، ہائے کیا بیچارگیِ محبت ہے۔ ہمیشہ کہا اے بادِ صبا تُو تو ضرور حاضر ہوتی ہے سنا دے غم سے تڑپے ہے کوئی درد کا مارا کہیو۔ اور ایسا کہتے ہوئے بھی کانپ جاتا ہوں کہ وہ بادِ صبا جو وہاں حاضر ہوتی ہے اس سے بھی ہم کلام ہونے کی ہمت تجھے کیوں ہوئی:

نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
کہ ایں نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی

میں حضرت جامؔی سے بہت پیچھے ہوں۔ وہ تو اس کتّے سے اپنی نسبت پیدا کر رہے ہیں جو (ان) کے کوچہ میں رہتا ہے۔ میں ہزار ہا ہزار میل دُور سے جانے والی بادِ صبا سے مخاطب ہوتے کانپتا ہوں، تھرتھراتا ہوں۔
(کوچۂ جاناں جاناں: ص17)

کلیم عاجز کی نعتیہ شاعری کے کچھ نمونے:

یہ کہا کلیم سے ایک شب کسی نے لہجۂ راز میں
تجھے پھر ہے دعوتِ حاضری قدم امیر حجاز میں
نہ ہو مشکلات سے تنگ دل تو جہان شعدہ باز میں
تیرا راستہ ہے کھلا ہوا نہ الجھ نشیب و فراز میں
مرا سجدہ مری عبادتیں تیرے عشق کی ہیں کرامتیں
نہ لگا تا دل میں تو آگ اگر مرا دل نہ لگتا نماز میں
یہ کلیم چین نہ پائے گا تو بلائے گا یہ پھر آئے گا
کوئی تازہ نعت سنائے گا تیرے آستانہ ء ناز میں

ایک اور نعت کے چند اشعار:

نثار ٹوٹے ہوئے دل کا جام کرنے کو
کلیم آہی گیا پھر سلام کرنے کو
حضور! یہ بے ادب بے شعور بے غیرت
کرے ہے صبح گناہوں میں شام کرنے کو

ایک اور نعت کے کچھ اشعار:

انگوٹھی دل ہے اور اس کا نگینہ
مدینہ ہے مدینہ ہے مدینہ
اسی کی ہے چمک سینہ بہ سینہ
اندھیری رات کا جگنو مدینہ

اصلاحِ معاشرہ

کسی مسلمان کے ساتھ استہزاء و تمسخر

یہ کبیرہ گناہ ہے اور کرنے والے کا کوئی دنیوی، معاشی فائدہ بھی اس میں نہیں، مگر عام مسلمان غفلت و بے پروائی سے اس میں مبتلا ہیں، قرآن کریم میں حکم ہے:

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ

کوئی جماعت کسی کے ساتھ تمسخر (ٹھٹھا) نہ کرے شاید وہ اللہ کے نزدیک ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کے ساتھ (ٹھٹھا) کریں شاید کہ وہ اللہ کے نزدیک ان سے بہتر ہوں۔

استہزاء کے معنیٰ یہ ہیں کہ کسی کی اہانت وتحقیر اور اس کے عیب کا اظہار اس طرح کیا جائے جس سے لوگ ہنسیں، اس میں بہت سی صورتیں داخل ہیں مثلاً:

۱۔ کسی کے چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، ہنسنے بولنے وغیرہ کی نقل اتارنا یا قدوقامت اور شکل وصورت کی نقل اُتارنا۔

۲) اس کے کسی قول وفعل پر ہنسنا۔ ۳) آنکھ یا ہاتھ پیر کے اشارہ سے اس کے عیب کا اظہار کرنا۔

یہ وہ گناہ بے لذت ہیں جو آج کل مسلمانوں میں وبا کی طرح پھیلے ہوئے ہیں، عوام سے لے کر خواص تک ان میں مبتلا ہوجاتے ہیں، حالاں کہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت میں ان کا حرام ہونا صاف مذکور ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے: وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۙ ① "یعنی خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے اور عیب چننے والے کی" اور آیت کریمہ يٰوَيْلَتٰنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صغیرہ سے مراد کسی مسلمان پر استہزاء سے تبسم کرنا اور کبیرہ سے اس پر قہقہہ لگانا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے کسی انسان کی نقل اتاری تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (منع فرمایا) اور فرمایا کہ مجھے تو کوئی بڑی سے بڑی دولت بھی کسی کی نقل اتارنے پر ملے تو میں کبھی نہ اُتاروں۔

(ابوداؤد، ترمذی)

اس میں اشارہ اس کی طرف بھی ہوسکتا ہے کہ یہ گناہ ایسا بے لذت اور بے فائدہ ہے کہ اس میں کوئی فائدہ بھی نہیں اور بالفرض کوئی فائدہ ہوتا بھی جب بھی اس کے پاس نہ جانا ہی تھا۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دوسرے لوگوں کا استہزاء کرتا (مذاق اُڑاتا) ہے آخرت میں اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا اور اس کی طرف بلایا جائے گا جب وہ سر کتا سسکتا ہوا وہاں پہنچے گا تو بند کر دیا جائے گا، پھر دوسرا دروازہ کھولا جائے گا اور اس کی طرف بلایا جائے گا جب وہاں پہنچے گا بند کر دیا جائے گا، اسی طرح برابر جنت کے دروازے کھولے اور بند کئے جاتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ مایوس ہوجائے گا، اور بلانے پر جنت کے دروازہ کی طرف نہ جائے گا۔

(رواہ البیہقی مرسلاً، ترغیب المنذری)

ایک شخص کی ریح آواز کے ساتھ صادر ہوگئی، لوگ ہنسنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر خطبہ میں زجر وتنبیہ فرمائی اور فرمایا جو کام تم سب خود بھی کرتے ہو اس سے کیوں ہنستے ہو۔

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کسی شخص کو اس کے گناہوں پر عار دلائے وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک خود اس گناہ میں مبتلا ہوجائے، احمد بن منیعؒ فرماتے ہیں کہ اس جگہ گناہ سے وہ گناہ مراد ہیں جن سے توبہ کر لی گئی ہو۔ (ترمذی، از تخریج احیاء)

بعض لوگ ناواقفیت یا غفلت سے استہزاء وتمسخر کو مزاح (خوش طبعی) میں داخل سمجھ کر اس میں مبتلا ہوجاتے ہیں، حالاں کہ دونوں میں بڑا فرق ہے، مزاح جائز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے اس کی شرط یہ ہے کہ اس میں کوئی بات خلافِ واقعہ زبان سے نہ نکلے، اور کسی کی دل آزاری نہ ہو اور وہ بھی مشغلہ اور عادت نہ بنے کبھی کبھی اتفاقاً ہوجائے۔ (احیاء العلوم)

استہزاء اور تمسخر میں مخاطب کی دل آزاری یقینی ہے وہ باجماع حرام ہے، (زواجر، ۲/ ۱۸) اس کا مزاح جائز میں داخل سمجھنا گناہ بھی ہے اور جہالت بھی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں استہزاء وتمسخر سے محفوظ ومامون رکھے۔ آمین

(ماخوذ از: گناہِ بے لذت)

حظِ گنہ میں جب گناہ تو کر چکا پھر کچھ
اک ذرا سی دیر کا ہے یہ مزا پھر کچھ نہیں

اعداد و شمار

فلسطینی تیل و گیس کی دولت دشمن کے ہاتھوں نیلام!

فلسطین نہ صرف ایک تاریخی سرزمین اور کئی ایک تہذیبوں کا گہوارہ ہے بلکہ اس کی مٹی اور پانی میں قدرت نے اپنے ایسے ایسے انمول قدرتی خزانے بھی چھپا رکھے ہیں جو مفاد پرست اور غاصب صہیونی دشمن کی توجہ کا خاص مرکز ہیں۔ ان قدرتی وسائل میں تیل اور گیس کے بے پناہ ذخائر اور معدنیات شامل ہیں؛ مگر ان وسائل پر صہیونی ریاست قبضہ جمانے اور اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کیلئے کوشاں ہے۔

تیل اور گیس کے اب تک سامنے آنے والے خام ذخائر کے اعتبار سے فلسطین کا شمار دنیا کے انتہائی قیمتی ممالک میں ہوتا ہے۔ دنیا بھر میں جیسے جیسے تیل اور گیس کی طلب اور ان کی قیمت بڑھتی جارہی ہے فلسطین کے قدرتی وسائل کی لوٹ مار اور فلسطینی قوم کو اس قدرتی خزینے سے محروم کرنے کی سازشیں بھی اتنی ہی تیز تر ہو رہی ہیں۔ اپنے ملک کے ان بیش قیمت قدرتی خزانوں سے مظلوم فلسطینی قوم فائدہ اٹھانے سے اس لیے قاصر ہے کہ یہ تمام وسائل نہ صرف فلسطینیوں کی پہنچ سے دور ہیں؛ بلکہ صہیونی ریاست ان پر قبضہ کرنے کی سازشیں جاری رکھے ہوئے ہے۔

ماہرین اقتصادیات بتاتے ہیں کہ ارض فلسطین میں موجود تیل اور گیس کے قدرتی ذخائر کا اگر استعمال کیا جائے تو نہ صرف یہ ذخائر صدیوں تک فلسطینیوں کے لیے کفایت کرتے رہیں گے؛ بلکہ اڑوس پڑوس کے ممالک کے لیے بھی توانائی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی ثابت ہوں گے۔ اقتصادی اور ارضیاتی ماہرین کے لگائے گئے تخمینوں اور تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ فلسطین کے 1000 سے 6000 ہزار مربع میٹر کے علاقے پر تیل اور گیس کا ذخیرہ موجود ہے۔ یہ وسائل زمینی درجہ حرارت میں 60 درجے سینٹی گریڈ سے لے کر 150 درجے سینٹی گریڈ تک ہیں۔ فلسطینی سمندر کی گہرائی اور سطح کے نیچے گیس کے غیر معمولی درجہ حرارت کے وسیع تر ذخائر کا پتا چلا ہے۔

فلسطین کا ساحلی علاقہ تیل اور گیس کے وسائل کے اعتبار سے زرخیز قرار دیا گیا ہے۔ سنہ 1930ء کے بعد اس علاقے میں کئی عالمی فرموں نے سروے کیے اور یہ ثابت کیا کہ فلسطینی ساحل اور سمندر کی سطح کے نیچے تیل اور قدرتی گیس کے نہ ختم ہونے والے ذخائر موجود ہیں۔

گیس کا بیش بہا خزانہ

امریکی ارضیاتی سروے کرنے والی ایجنسی 'یو ایس جیولاجیکل سروے' کے مطابق فلسطین میں 'فاسل انرجی' کے وسیع ذخائر پائے جاتے ہیں۔ ایجنسی کی جانب سے سنہ 2010ء میں ایک تفصیلی رپورٹ میں مشرق وسطیٰ کا سب سے بڑا گیس کا ذخیرہ قرار دیا گیا تھا۔

مشرق وسطیٰ میں گیس کا سب سے بڑا ذخیرہ

ماہرین کا کہنا ہے کہ بحر متوسط پر خشکی کے علاقے میں 83 ہزار مربع کلومیٹر پر محیط گیس کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔ یہ ذخیرہ فلسطین کے شمال میں طرطوس، شمال مغرب میں آبی پہاڑی سلسلے تک پھیلا ہوا ہے جبکہ مشرق میں اس کی سرحد ایشیائی اور افریقی ساحل سے ملتی ہیں۔ اس ذخیرے کے جنوب میں جزیرہ سینا کا علاقہ آتا ہے۔ امریکی تونائی ایجنسی کے اندازوں کے مطابق مذکورہ گیس کے ذخیرے میں اندازاً 7 ارب ایک کروڑ بیرل تیل اور 1 کھرب 22 ارب اسکوائر فٹ گیس کے محفوظ ذخائر ہیں۔ یوں یہ تیل اور گیس کا سب سے بڑا قدرتی ذخیرہ ہے۔

مشرق وسطیٰ میں تیل اور گیس کے قدرتی وسائل

امریکی ایجنسی کی رپورٹ کے مطابق مجموعی طور پر مشرق وسطیٰ میں 40 ارب 83 کروڑ سے 3.8 کھرب بیرل تیل جب کہ 55.1 کھرب اسکوائر فٹ سے 227.3 اسکوائر فٹ گیس کے ذخائر کا اندازہ لگایا گیا ہے۔

تیل اور گیس کی پیداوار

اس وقت فلسطین کے جنوبی ساحل، عسقلان، اسدود بالخصوص البریر قصبے کے کھنڈرات سے تیل اور گیس نکالا جا رہا ہے۔ سنہ 1940ء کے عشرے میں البریر کے شمال میں ایک کلومیٹر کی دوری پر تیل کے ذخائر کا پتا چلا تھا۔ یہ انکشاف اس وقت عراق کی ایک آئل کمپنی کی جانب سے کیا گیا تھا۔ یہاں سے تیل کا اخراج جاری ہے۔ اس کے علاوہ بحر مردار کے جنوب مشرق میں عراد کے مقام سے بھی تیل اور گیس نکالا جا رہا ہے۔ چونکہ ان علاقوں

پر صہیونی ریاست کا غاصبانہ تسلط قائم ہے۔اس لیے یہاں سے تیل اور گیس کا اخراج اور اس کا استعمال بھی صہیونی ریاست ہی کر رہی ہے۔

فلسطین میں اہم ترین گیس فیلڈ

ارض فلسطین میں قدرتی گیس کے کئی فیلڈ موجود ہیں۔ان میں زیادہ مشہور درج ذیل ہیں۔

نوح فیلڈ: نوح گیس فیلڈ غزہ کے ساحل پر واقع ہے۔سنہ 2012ء میں یہاں سے گیس کا اخراج شروع کیا گیا تھا۔یہ فیلڈ سطح سمندر سے 779 میٹر گہرا ہے۔

ماری فیلڈ: ماری گیس فیلڈ بھی غزہ کے ساحل بالخصوص نوح فیلڈ کے مشرقی سمت میں واقع ہے۔یہاں سے گیس کی پیداوار کا تخمینہ 1.1 ٹرین مکعب فٹ لگایا گیا ہے۔

تمر فیلڈ: تمر گیس فیلڈ حیفا شہر سے 80 کلومیٹر کی مسافت پر سطح سمندر سے 1700 میٹر گہرائی میں واقع ہے۔اس کا انکشاف 2009ء میں ہوا تھا مگر اس سے گیس کی اخراج کا آغاز 2013ء میں کیا گیا۔اس کے مجموعی ذخیرے کا اندازہ 8 کھرب 4 ارب مکعب فٹ لگایا گیا ہے۔اسرائیل نے یہاں پر گیس کے منصوبوں کے لیے قبرص اور جنوبی کوریا کو بھی شامل کر رکھا ہے۔

لیوی تھن فیلڈ: یہ گیس فیلڈ بحر متوسط کے مشرق میں حیفا شہر سے 130 کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔صہیونی ریاست نے اس گیس فیلڈ کے لیے کئی کمپنیوں کو ٹھیکے دے دیئے ہیں۔قانونی طور پر یہ علاقہ مصر کے اکنامک ریجن کا حصہ ہے۔اس گیس فیلڈ میں گیس کے کل ذخائر کا تخمینہ 18 کھرب مکعب فٹ لگایا گیا ہے۔

ڈالیٹ فیلڈ: ڈالیٹ فیلڈ اسرائیل کے زیر تسلط سرسبز فلسطینی علاقے سے 60 کلومیٹر کی مسافت پر ہے جس میں گیس کے ذخائر کی مقدار 53.0 ارب مکعب فٹ بتائی گئی ہے۔

سارۃ اور میرا فیلڈ: یہ گیس فیلڈ سرائیل کے مغربی علاقے ناتانیا کے قریب ہے جس میں گیس کے ذخائر کا اندازہ 5.6 ارب مکعب فٹ لگایا گیا ہے۔

تانین فیلڈ: اسرائیل کے ساحل سے 120 کلومیٹر دور واقع تانین فیلڈ کا انکشاف 2012ء میں لگایا گیا تھا۔اس میں گیس کے ذخائر کا تخمینہ 1.1 کھرب مکعب فٹ بتایا گیا ہے۔

ڈولفن فیلڈ: یہ فیلڈ حیفا کے ساحل سے 110 کلومیٹر کی مسافت پر ہے جس میں گیس کے ذخائر 550 ارب مکعب فٹ بتائے گئے ہیں۔

میرین فیلڈ: میرین گیس فیلڈ غزہ کے ساحل سے 36 کلومیٹر دور ہے۔اس کا انکشاف 2000 میں کیا

گیا۔اس میں گیس کے ذخائر کا تخمینہ 4.1 ٹرین مکعب فٹ لگایا گیا ہے۔اس گیس فیلڈ میں موجود گیس نہ صرف پورے فلسطین کے لیے کفایت کرسکتی ہے بلکہ فلسطینی اسے فروخت بھی کر سکتے ہیں۔

فلسطینیوں اور اسرائیل کے درمیان جاری تنازع کے باعث اس گیس فیلڈ پر کام شروع نہیں کیا سکا ہے۔

گیس کی لوٹ مار:

صہیونی ریاست نے سنہ 1970 میں مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں گیس اور تیل کے حصول کے لیے خفیہ کھدائیوں پر کام شروع کیا۔ سنہ 1993ء میں فلسطینیوں اور اسرائیل کے درمیان طے پانے والے اوسلو معاہدے کے بعد ان کھدائیوں کا کام اعلانیہ اور تیز کر دیا گیا۔اسرائیل کی دو آئل پروڈکشن کمپنیوں نے وسطی غرب اردن کے بالمقابل راس العین، طولکرم، مرج بن عامر اور وادی اردن کے شمال میں تیل کی کھدائیاں شروع کیں۔جنگی بنیادوں پر کی گئی کھدائیوں کے دوران قدرتی تیل اور گیس کے وسیع تر ذخائر کا انکشاف ہوا۔ایک اندازے کے مطابق صہیونی ریاست نے فلسطینی علاقوں میں کھدائیوں کے دوران 83 ہزار کلومیٹر کے علاقے پر گیس اور تیل کا پتا چلا۔تیل اور گیس کا یہ ذخیرہ فلطسطین کے موجودہ رقبے سے تین گنا زیادہ ہے۔ان کھدائیوں سے پتا چلا کہ فلسطین میں 1 کھرب 22 ارب فٹ قدرتی گیس موجود ہے۔یہ پوری دنیا میں گیس کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے جب کہ تیل کے کل ذخائر 1.7 ارب بیرل بتائے گئے۔

مصر کے اقتصادی آبی علاقے کے مغرب میں ڈیلٹا تیل اور گیس فیلڈ میں اندازاً 2 لاکھ 50 ہزار مربع کلو میٹر کے علاقے پر تیل اور گیس ہے۔اندازاً گیس کی محفوظ مقدار 2 کھرب 23 ارب فٹ اور تیل کے ذخائر کی 1.8 کھرب بیرل ہے۔علاقائی اقتصادی معاہدوں کے تحت گیس اور تیل کے ذخائر پر فلسطین، مصر، اردن اور اسرائیل کا مشترکہ حق تسلیم کیا گیا۔خیال رہے کہ اسرائیل نے مشرق وسطی کے اس وسیع گیس فیلڈ میں سنہ 1990ء سے گیس اور تیل کی پیداوار بڑھا دی تھی۔سنہ 1990ء میں 12 ارب فٹ گیس جب کہ سنہ 2014ء میں اس میں 2 ارب 65 کروڑ فٹ گیس میں اضافہ کر دیا گیا تھا۔

'مجد' فیلڈ: مجد فیلڈ فلسطین کے 'رنتیس' کے علاقے میں واقع ہے۔سنہ 2014ء میں اس فیلڈ سے تیل کی پیداوار 14 ملین بیرل سالانہ تھی۔سنہ 2011ء سے مسلسل اس فیلڈ سے تیل کا اخراج جاری ہے۔یہ آئل فیڈ سنہ 1949ء میں قائم کردہ فائر بندی لائن کے مغرب میں واقع ہے۔جیولوجیکل سروے کے مطابق یہ دریائے اردن کے مغربی کنارے کے مشرق میں واقع ہے۔

اس میں ریزرو تیل کی مقدار پٹرول کی شکل میں ڈیڑھ ارب بیرل لگائی ہے جب کہ یہاں پر گیس کی مقدار 1

ارب 82 مکعب فٹ بتائی گئی ہے۔ زیرزمین پٹرول کا فلسطین میں یہ سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔ اس علاقے پر اسرائیل نے سنہ 1967ء کی جنگ میں اسرائیل نے قبضہ کیا تھا۔ اسرائیل نے اس علاقے میں تیل کی تلاش کا کام بھی عرب/اسرائیل جنگ کے بعد شروع کر دیا تھا۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ فیلڈ گرین لائن کے ساتھ رام اللہ اور قلقیلیہ تک پھیلا ہوا ہے۔

رنیتس کا علاقہ قدرتی وسائل بالخصوص معدنیات اور تیل و گیس کے وسائل سے مالا مال ہے۔ اس علاقے میں 600 سے 700 مربع کلومیٹر کے علاقے پر گیس اور تیل کے وسائل کا پتا چلا ہے۔ یہاں پر خام تیل کی محفوظ مقدار 5.1 ارب بیرل جب کہ گیس کی 1 ارب 82 کروڑ مکعب فٹ ہے۔ اس کی مجموعی قیمت 1 کھرب 55 ارب ڈالر سے زیادہ ہے۔

اسرائیلی حکومت نے اس علاقے میں 40 کنوئیں کھود رکھے ہیں۔ ان میں 26 سے تیل اور گیس کا ایک ساتھ اخراج جاری ہے جب کہ بقیہ کنوؤں سے صرف تیل نکالا جا رہا ہے۔

غزہ کی پٹی کے علاقے میں دو گیس فیلڈ واقع ہیں۔ ایک بحری گیس فیلڈ کا ذخیرہ ہے جو سطح سمندر سے 603 میٹر گہرائی میں ہے۔ یہ ذخیرہ شہر کے مغرب میں 36 کلومیٹر کی دوری پر ہے۔ دوسرا ذخیرہ اپنی وسعت کے اعتبار سے چھوٹا ہے۔ یہ علاقائی اور عالمی پانی کی سرحد کے قریب غزہ اور اسرائیل کے درمیان واقع ہے۔

برطانیہ کی گیس پروڈکشن کمپنی کی رپورٹ کے مطابق غزہ میں دونوں ذخیروں میں ایک کھرب مکعب فٹ گیس موجود ہے۔

فلسطینی سرمایہ کاری اور وسائل

'مڈل ایسٹ آئی' کی رپورٹ کے مطابق فلسطین اور اسرائیل کے درمیان معاہدے کی صورت میں فلسطینی سمندر میں موجود تیل اور گیس کے ذخائر کے لیے 6600 کلومیٹر کے علاقے کا مطالبہ کریں گے۔ گویا اس وقت فلسطینیوں کے پاس موجود قدرتی وسائل کے علاقے کا پانچ گنا زیادہ علاقے کا مطالبہ کیا جائے گا۔

رپورٹ کے مطابق اس وقت فلسطینیوں کے پاس بحر متوسط سے لیوی نیتھن گیس فیلڈ تک 200 میل کا علاقہ ہے۔ اس علاقے میں گیس کی مقدار پڑوسی ملکوں کی گیس کی مقدار سے چھ گنا زیادہ ہے۔

'ماری بی' نامی فیلڈ میں اسرائیل نے 2012ء میں گیس اور تیل کے اخراج کے لیے پرمٹ جاری کیے گئے تھے۔ فلسطین۔ اسرائیل معاہدے کی صورت میں یہ فیلڈ فلسطینیوں کو واپس کی جا سکتی ہے۔

گذشتہ 14 سال سے ساحل غزہ پر مذکورہ گیس فیلڈ میں سرمایہ کاری فلسطینیوں کا اہم خواب ہے۔ اگر اس

گیس فیلڈ سے گیس کا اخراج شروع ہوتا ہے تو غزہ کی پٹی کے عوام کی زندگی بدل جائے گی۔

ابھی تک فلسطینیوں نے عالمی عدالت انصاف میں سرکاری سطح پر اپنے آبی حقوق اور قدرتی وسائل کے حوالے سے کوئی درخواست نہیں دی۔ حالانکہ فلسطین سنہ 2012ء سے عالمی عدالت انصاف کا رکن اور اقوام متحدہ کا غیر مبصر رکن ہے۔

فلسطینی تجزیہ نگار اروعالمی بنک کے مشیر ممدوح سلامہ کا کہنا ہے کہ فلسطینی اتھارٹی اقوام متحدہ میں 150 ممالک کی طرف سے تسلیم کیے جانے کے بعد آبی اور قدرتی وسائل کے حقوق کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ فلسطینی اتھارٹی عالمی برادری اور اقوام متحدہ کے ساتھ مل کر اسرائیل پر اپنے یہ مطالبات منوا سکتی ہے۔

(بہ شکریہ: بصیرت فیچرس)

(بقیہ صفحہ ۸ سے)

۴) الامر بالمعروف النھی عن المنکر: چوتھا حق یہ ہے کہ بھلی باتیں بتلاؤ اور بُری باتوں سے روکو، یہ حکم اسلام کے اعظم ترین احکام میں سے ہے، امام غزالیؒ نے اس کو اسلام کا قطب الرحیٰ (یعنی اسلام کی چکی کا کھوٹا) فرمایا ہے۔ یعنی جب تم باہر بیٹھ ہی رہے ہو تو کسی کو اچھی بات بتانے کا موقعہ ہو تو ضرور بتاؤ مثلاً کوئی راستہ پوچھے، پتہ معلوم کرے، کسی شخص کے احوال دریافت کرے تو صحیح بات بتاؤ۔ اور اگر کوئی بُرائی میں مبتلا ہو اور تم اُسے روک سکتے ہو تو منع کرو، مثلاً کسی کی لڑائی ہو رہی ہو، گالی گلوج، دھوکہ دہی ہو رہی ہو، کوئی بیوپاری ناپ تول میں کمی کر رہا ہو، کوئی بے حیائی کی باتوں کی تشہیر کر رہا ہو، تو اُسے متانت وسنجیدگی سے باز رکھو، یا کسی کے حادثہ کا شکار ہونے کا اندیشہ ہو تو بچاؤ، بجلی کے تار پڑے ہوں اور راہ گیر نہ دیکھ رہا ہو تو آگاہ کرو، گندگی پڑی ہو تو توجہ دلاؤ، وغیرہ یہ چند مثالیں ہیں، آدمی غور کرے تو اور باتیں سمجھ میں آسکتی ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ حدیث شریف میں ذکر کردہ حقوق بڑی اہمیت کے حامل ہیں مسلم سماج کی ان نبوی ہدایات پر عمل آوری باعثِ خیر وبرکت ہوں گی اور امن وسلامتی کی ضامن بھی، اگر والدین وسرپرست حضرات اور بہی خواہانِ امت بالخصوص نوعمر بچوں اور نوجوانوں کو ان باتوں سے ضرور آگاہ کریں، انشاء اللہ اس سے بڑے بڑے فتنے فساد، لڑائی جھگڑے ختم ہوں گے، اغیار کی نظروں میں بلا وجہ کھٹکنے اور آفتوں کو مول لینے سے بھی محفوظ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق نصیب فرمائے آمین

اندیشۂ فردا

نئی حج پالیسی ۔مثبت اور منفی پہلوؤں کا جائزہ

مولانا سید احمد ومیض ندوی*

مرکز کی مودی سرکار اپنی میعاد کا ایک بڑا حصہ مکمل کرنے جارہی ہے۔اس عرصہ میں کامیابیاں اور حصولیابیاں توصفر کے درجہ میں رہیں،، البتہ اقلیت دشمنی اور بالخصوص مسلم دشمنی کے حوالہ سے اس نے بہت کچھ پیش رفت دکھائی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ وزیر اعظم کا سارا ریموٹ کنٹرول آر ایس ایس کے ہاتھ میں ہے منموہن سنگھ کو سونیا گاندھی کے کٹھ پتلی وزیر اعظم کہتے نہ تھکنے والے مودی آر ایس ایس کے ہاتھ کا کھلونا بن چکے ہیں۔جیسے جیسے میعاد آگے بڑھ رہی ہے، مسلم دشمنی پر مبنی اقدامات میں تیزی لائی جارہی ہے۔طلاق ثلاثہ کی منسوخی کا معاملہ ہو یا روہنگیا پناہ گزینوں کی برقراری کا، گاؤ رکھشکوں کو کھلی چھوٹ ہو یا موب لنچنگ کے ذریعہ بے قصور مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کئے جانے کی بات' مرکزی حکومت کا ہر اقدام اس کی مسلم دشمنی کا مظہر نظر آتا ہے۔

مودی سرکار کی تازہ نظر عنایت اب حج پر ہورہی ہے۔حج جیسی خالص عبادت بھی اس کی نظروں میں کھٹکنے لگی ہے۔گزشتہ دنوں اقلیتی امور کے مرکزی وزیر نے نئی حج پالیسی سے متعلق حکومت کو پیش کی جانے والی سفارشات کا اعلان کیا۔اگر چہ ان میں بعض سفارشات ایسی ہیں جن پر ایمانداری سے عمل ہو تو حج کے پاکیزہ عمل میں پائی جانے والی بدعنوانیوں کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے،لیکن بعض دیگر سفارشات ایسی ہیں جن سے جہاں ایک طرف شریعت میں مداخلت ہوتی ہے، وہیں حجاج کے لئے دشواریاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔بحری جہاز سے سفر حج کے تعلق سے پیش قیاسیوں کا سلسلہ کافی عرصہ سے چل رہا تھا،مگر نئی حج پالیسی اس تعلق سے خاموش ہے۔

✶ اسی طرح حج کمیٹی آف انڈیا کو آزاد اور خود مختار ادارہ بنانے کی تجویز بھی حکومت سے کی گئی سفارشات میں شامل ہے بظاہر یہ تجویز معقول نظر آتی ہے کہ اس سے حج کمیٹی آزاد قانونی اور خود مختار ادارہ بن جائے گی اور اس کے اقدامات صرف مشورہ تک محدود نہ رہیں گے،لیکن سابق میں حج کمیٹی پر لگے سنگین الزامات اور رہائشی عمارتوں کے حوالہ سے ہوئی بدعنوانیوں کو مدنظر رکھیں تو حج کمیٹی کا حکومت کے تابع رہ کر کام کرنا ہی بہتر معلوم ہوتا

*استاذ حدیث دارالعلوم حیدرآباد

ہے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ عازمین سے اعلیٰ رہائشی عمارتوں میں قیام کی رقم لی گئی اور انہیں دوسری جگہوں پر ٹھہرایا گیا۔ اسی طرح امسال یہ شکایت بھی بہت سننے میں آئی کہ ایک کمرے میں گنجائش سے زیادہ لوگ رکھے گئے، پھر اس پر طرہ یہ کہ محرم اور غیر محرم کا بھی خیال نہیں رکھا گیا۔ ✷ جہاں تک پرواز کے لئے گلوبل ٹینڈر کی بات ہے تو یہ ایک بہتر تجویز ہے، ایر انڈیا کی اجارہ داری نے حج کی ٹکٹوں کو آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ جو ٹکٹ عام دنوں میں کم خرچ پر دستیاب رہتی ہے، اسے حج کے ایام میں اچانک دوگنا کر دیا جاتا ہے، جس کا خمیازہ حاجیوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔

✷ نئی حج پالیسی کے تحت آنے والے پانچ برسوں تک حج کمیٹی آف انڈیا کا کوٹہ 70 فیصد اور پرائیویٹ آپریٹرز کے لئے 30 فیصد اضافہ کی سفارش کی گئی ہے۔ سیٹوں کو مختص کرنے کے متعلق حج کمیٹی آف انڈیا کو اختیار دینے کی سفارش کی گئی ہے کہ وہ اس کے لئے مختص کی گئی سیٹوں میں خادم الحجاج (625) اور سرکاری کوٹہ 500 سیٹوں میں تخفیف کرے گی، بقیہ سیٹوں کو مسلم آبادی کے تناسب سے تمام ریاستوں اور مرکز کے زیر نگرانی علاقوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ سب سے پہلے اضافی سیٹیں جن کی تعداد 500 ہو محرموں کو فراہم ہوں گی، اگر سیٹیں باقی رہ جائیں تو خصوصی نظم کے تحت 2000 سیٹوں تک جموں و کشمیر کے لئے مختص ہوں گی۔

✷ مکہ معظّمہ میں قیام کے سلسلہ میں یہ سفارش کی گئی ہے کہ حج کمیٹی آف انڈیا ایک ہی کیٹگری کے قیام پر غور کرے اور ایسے علاقے کے لئے کوشش کرے جہاں سلسلہ وار عمارتیں مل سکتی ہوں۔ ایجنٹوں کے توسط سے کام کرنے کے روایتی نظام کو مکمل طور پر ختم کیا جائے۔ ہندوستانی عازمین کے لئے مکہ معظّمہ میں ایسی آفس کے لئے حکومت کوشش کرے جو پورے سال مصروف کار رہے۔ بلڈنگوں میں قیام کرنے والے عازمین کی تعداد مکمل ہونے پر حج کمیٹی آف انڈیا کے تحت بقیہ رقم واپس کی جانی چاہئے۔

نئی حج پالیسی کے چند منفی پہلو

نئی حج پالیسی کے یہ چند مثبت پہلو ہیں، جہاں تک اس کے منفی پہلوؤں کا تعلق ہے تو

✷ ان میں سے ایک حج سبسیڈی کا خاتمہ ہے۔ یہ اقدام اگرچہ بی جے پی کی اقلیت دشمنی کے تناظر میں کیا گیا ہے، لیکن اس کا ختم کیا جانا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ حج سبسیڈی محض دھوکہ ہے۔ یہ سبسیڈی حجاج کرام کے لئے کم اور ایر انڈیا کے لئے زیادہ معاون ثابت ہوتی ہے۔ ممکن ہے ابتداء میں اس کا آغاز خلوص نیت سے کیا گیا ہو لیکن حالیہ عرصہ میں یہ سبسیڈی سنگھ پریوار کے لئے مسلمانوں کے خلاف پروپگنڈہ کا سامان بن گئی ہے۔ حیرت ہے کہ ملک میں دیگر مذہبی زائرین کو کمبھ میلہ سے لے کر امرناتھ تک سبسیڈی دی جاتی ہے،

لیکن اس کے خلاف کوئی واویلا نہیں کرتا۔ مگر زعفرانی جماعتیں حج سبسیڈی ہی کو نشانہ بناتی ہیں۔ سبسیڈی کے حوالہ سے درج ذیل رپورٹ کی جانکاری چشم کشا ثابت ہوگی۔ سال 2015ء کے حج کے موقع پر مرکزی حکومت نے حج سبسیڈی کے لئے 691 کروڑ روپئے منظور کئے۔ ایک لاکھ چھتیس ہزار (1,36000) حجاج کے لئے یعنی ہر حاجی کے لئے قریب پچاس ہزار روپئے (50,000)۔ قرعہ میں منتخب ہونے کے بعد ہر حاجی کو عزیزیہ زمرہ کے لئے کم از کم ایک لاکھ اسّی ہزار روپئے (180000) ادا کرنے پڑے۔ جس میں سے مکہ و مدینہ میں اخراجات وقربانی کے لئے ہر حاجی کو 2100 ریال یعنی 34000 روپئے واپس کئے گئے۔ بقیہ رقم 146000 روپئے میں ہوائی جہاز کا کرایہ، جدہ واپسی کے لئے 25000 روپئے (کیوں کہ دو ماہ اڈوانس بکنگ پر اتنا ہی خرچ آتا ہے۔ مکہ و مدینہ میں قیام کے اخراجات قریب 70000 روپئے معلم کی فیس وغیرہ کے لئے 25000 اس طرح 146000 روپئے میں سے ,26000 روپئے حج کمیٹی آف انڈیا کے پاس سلک رہ جاتے ہیں۔ اس میں حج سبسیڈی کی رقم 50000 روپئے جمع کی جائے تو ہر حاجی کے لئے 76,000 روپئے رقم جمع رہتی ہے۔ اس کو 136000 حجاج کے لئے حساب لگایا جائے تو حیرت انگیز رقم ایک ہزار چونتیس کروڑ روپئے بنتی ہے۔ اب اندازہ لگائیں کہ یہ رقم ایرانڈیا کی بقاء کے لئے استعمال ہوتی ہے یا حجاج کو راحت پہنچانے کے لئے؟۔

✷ نئ حج پالیسی کا ایک منفی پہلو 70 سال کے عازمین کے لئے بلا قرعہ اندازی منتخب ہونے کی سہولت کا خاتمہ ہے۔ اس سے ساری عمر حج کی خواہش میں پیٹ کاٹ کر روپیہ جمع کرنے والا طبقہ سستے حج سے محروم ہوجاتا ہے۔ بعض معاشی لحاظ سے کمزور مسلمان عمر بھر بچت کر کے رقم پس انداز کرتے ہیں، تاکہ عمر کے آخری مرحلہ میں حج کی سعادت حاصل ہوسکے۔ اس پالیسی سے ایسے مسلمانوں کو مایوسی ہوگی۔

✷ اس کے علاوہ خادم الحجاج جو عازمین کی مدد کے لئے بھیجے جاتے ہیں، ان کا 50 فیصد خرچ مرکزی حج کمیٹی اور 50 فیصد ریاستی حج کمیٹی برداشت کرتی ہے، نئ حج پالیسی میں اسے بھی ختم کرنے کا اعلان کیا گیا ہے، جو کہ مناسب نہیں ہے۔

✷ نئ حج پالیسی کی ایک اور قابل اعتراض سفارش وہ بھی ہے جو حاجیوں سے انڈیا ہی میں قربانی کی رقم وصول کرنے سے تعلق رکھتی ہے۔ حجاج سے انڈیا ہی میں قربانی کی رقم وصول کرنا غیر قانونی ہونے کے ساتھ غیر شرعی بھی ہے، اس لئے کہ حج کی تمام اقسام میں قربانی واجب نہیں ہے۔ اس کے علاوہ قربانی کے تعلق سے اللہ تعالیٰ نے کچھ سہولیات بھی دی ہیں جن کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ حج کرنے والا غریب ہو تو اسے قربانی

کرنا ضروری نہیں ہے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مکہ میں تین روزے رکھے اور اپنے ملک پہنچ کر سات روزے رکھے۔ایسے میں قربانی کے نام پر سبھی حجاج سے پیسے وصول کرنا سراسر ناانصافی ہے،سعودی عرب میں قربانی کے لئے 400 ریال لئے جاتے ہیں، جبکہ نئی حج پالیسی میں 800 ریال وصول کرنے کی بات کہی جارہی ہے۔

✷ نئی حج پالیسی کا ایک منفی پہلو یہ ہے کہ اس میں روانگی مراکز 21 سے گھٹا کر 9 کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔اس سے بھی حجاج کی پریشانیوں میں اضافہ ہوگا۔سفر کی صعوبتوں کے علاوہ مالی اخراجات میں بھی اضافہ ہوگا۔

✷ نئی حج پالیسی کی سب سے خطرناک سفارش وہ ہے جو 45 سال سے زائد عمر کی خواتین کے لئے بغیر محرم کے سفر حج کی اجازت سے تعلق رکھتی ہے۔45 سال سے زائد عمر کی خواتین کے لئے سفارش کی گئی ہے کہ انہیں بغیر محرم کے سفر کی گنجائش رکھی جائے۔یہ شق خواتین کے سفر سے متعلق شرعی قانون کے سراسر خلاف ہے۔نئی حج پالیسی کے مسودہ کا جائزہ لے کر بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ صرف ان عورتوں کے لئے ہے جن کے مسلک میں اسکی اجازت ہو۔شریعت اسلامی میں خواتین کوئی بھی سفر جو شرعی مسافت 78 کلومیٹر سے زائد ہو بغیر محرم کے نہیں کرسکتیں۔دارالعلوم دیوبند اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور دیگر مختلف تنظیموں اور علمی شخصیات نے اس سفارش کو سراسر غیر اسلامی اور شریعت میں مداخلت قرار دیا ہے۔دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا ابوالقاسم نعمانی نے خواتین کے بغیر محرم کے سفر سے متعلق نئی حج پالیسی کی سفارش پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ خواتین کے لئے حج کا سفر بغیر محرم کے کرنا ممنوع ہے۔اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ بات موجود ہے کہ خواتین بغیر محرم کے سفر نہیں کرسکتیں۔مولانا نے کہا کہ یہ فقہاء کا اجتہادی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ حدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے۔اگر حکومت ہند بغیر محرم کے عورت کو حج پر جانے کی اجازت دیتی ہے تو یہ مذہبی امور میں براہ راست مداخلت ہوگی۔حکومت کو ایسا نہیں کرنا چاہئے۔مذہبی امور میں حکومت کی مداخلت سے معاملات سدھرنے کے بجائے خراب ہوتے ہیں اور حکومت کی نیت پر بھی شبہ ہوتا ہے۔مولانا نے کہا کہ حکومت اگر اجازت دے تب بھی مسلم خواتین کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

دعوتِ فکر وعمل

مدارسِ اسلامیہ اور عصری علوم

ترتیب: مولانا محمد کبیر الدین قاسمی*

جنوبی ہند کی معروف درسگاہ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور میں بتاریخ ۱۵/۱۶/۱۷ محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق ۶/۷/۸ اکتوبر ۲۰۱۷ء تعلیمی کانفرنس اور جلسۂ دستار بندی کا انعقاد عمل میں آیا، اس کانفرنس میں علماء کرام اور زعماء عظام کی بیش بہا باتیں اور قیمتی آراء سامنے آئیں، لیکن راقم السطور کو خصوصیت کے ساتھ استاذ الاساتذہ محدث کبیر حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہٗ (شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند) اور فقیہ ملت، رہبر امت حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ العالی (رئیس المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) کی تقاریر موضوع کی نزاکت کے لحاظ سے کافی اہمیت کے حامل محسوس ہوئیں، سردست آخر الذکر بزرگ کے بیانات کے اقتباسات قارئین اشرف الجرائد کی خدمت میں پیش ہیں۔

حضرت والا کو ''مدارس اسلامیہ اور عصری علوم'' کے موضوع پر بیان کرنے کی ذمہ داری تفویض کی گئی تھی، تحمید وتسلیم کے بعد موضوع کو پانچ حصوں پر منقسم کر کے ہر حصہ پر بقدر ضرورت روشنی ڈالی گئی، (الف) عصری علوم کو ہمارا اسلام کس نظر سے دیکھتا ہے؟ (ب) ہمارے اکابر اس کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ (ج) نصاب مدارس میں حک واضافہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (د) عصری علوم کے شمول کے نقصانات اور فائدے کیا ہیں؟ (ہ) عصری علوم کے شمول کی تدبیر کیا ہونی چاہئے؟

موضوع کے پہلے حصہ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ دینی اور دنیاوی ضرورت کی تکمیل کے لئے اسباب و وسائل کے اختیار کرنے سے اسلام منع نہیں کرتا ہے اگر چہ کہ اسباب ووسائل اسلام میں مقصود بالذات نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: الحکمة ضالة المؤمن فحیث وجدها فهو احق بها (رواہ الترمذی وابن ماجہ) کہ حکمت کی باتیں اور کارآمد علم مومن کا گمشدہ سامان ہے اور ظاہر ہے کہ گمشدہ سامان جہاں بھی مل جائے اس کا مالک اسے اپنے قبضے میں لے لیتا ہے، تو حکمت مومن کو جہاں بھی ملے اسے اپنا دامن تر کئے بغیر حاصل کرنا چاہئیے، اور خصوصاً ایسی حکمت جو اشاعت دین کے لئے معاون اور تبلیغ اسلام کے لئے سازگار ہو،

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

اسی طرح حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کرتے: اللھم انی اسئلک علما نافعا الخ (ابن ماجہ) اے اللہ! میں نفع بخش علم کا سوال کرتا ہوں، ایک اور حدیث میں حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ یہ دعا مانگتے ''اللھم انی اعوذبک من علم لا ینفع الخ'' (رواہ اھل السنن من وجوہ متعددۃ) کہ اے اللہ! میں علم غیر نافع سے آپ کی پناہ لیتا ہوں؛ اس قسم کی احادیث شریفہ میں جہاں علوم دینیہ داخل ہیں وہیں الفاظ کے عموم میں ایسے علوم عصریہ بھی شامل ہو سکتے ہیں جو انسانی ارتقاء و بقاء کے لازم اور امور دینیہ کے ممد و معاون ہوں، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مرحوم نے لکھا ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے آٹھ زبانیں سیکھی تھی، یہ سب آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے ان کے لئے آسان ہو گیا تھا، لہذا اچھے مقاصد کے لئے علوم عصریہ کی تعلیم و تعلم میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔

موضوع کا دوسرا حصہ کہ ''ہمارے اکابر اس کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ اس سلسلے میں ہمارے علماء کے ہاں دو طرح کی رائے پائی جاتی ہیں۔ ایک رائے تو یہ ہے کہ عصری علوم کے شمول کی کسی طرح گنجائش نہیں ہے اگر چہ کہ یہ تعداد بہت کم ہے۔ دوسری رائے ایسے علماء کی ہے جو شمول کے قائل ہیں، عام طور پر ہمارے علماء کی طرف یہ منسوب کر دیا گیا ہے کہ وہ حضرات انگیریزی کے مخالف ہیں یہ بات غلط ہے ہاں بعض علماء نے انگریزوں کی مخالفت میں ضرور ایسی بات کہی ہے جو وقت اور حالات کا تقاضا تھا لیکن فی الحقیقت ایسی بات نہیں، چنانچہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا عبدالحی فرنگیؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ نے انگیریزی زبان سیکھنے کا فتویٰ دیا ہے۔ اور خود بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت نانوتویؒ نے کہا ہے کہ فراغت تعلیم کے بعد انگریزی علوم حاصل کیا جائے تو زیادہ نفع ہوگا، موصوف نے سرسید احمد خان مرحوم کو خط بھی تحریر فرمایا تھا کہ ہمارے طلبہ آپ کے مدرسہ میں جدید علوم حاصل کریں تو مفید ہوگا۔

اس موضوع کا تیسرا حصہ یہ ہے کہ نصاب مدارس میں حک اور اضافہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ہمارے مدارس اسلامیہ میں عام طور پر ملا نظام الدین سہالویؒ کا مرتب نصاب مروج ہے جو درحقیقت ملا قطب الدین سہالویؒ کا ترتیب دیا ہوا نصاب ہے، ان کے نصاب میں کل ۵۲ رکتابیں تھیں جن میں براہ راست علوم دینیہ کی کتابیں ۱۲ رتھیں ان کے دور کے ہی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مرتب کردہ نصاب میں کل کتابیں ۳۰ رتھیں جب کہ علوم دینیہ کی کتابیں سترہ تھیں، دارالعلوم دیوبند کے نصاب تعلیم میں ولی الٰہی رنگ غالب ہے اگر چہ کہ درس نظامی (منسوب ملا نظام الدین سہالویؒ) کا نام دیا گیا ہے، دارالعلوم دیوبند کے نصاب کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے طلبہ میں مختلف علوم و فنون کے حاصل کرنے کی از بس صلاحیت پیدا ہو جانی چاہئے اسی مقصد کے حصول کے لئے تبدیلی عمل میں لائی گئی، نیز دارالعلوم ندوہ کی تحریک کا ایک مقصد یہ تھا کہ

جدید علوم کو بھی نصاب میں شامل کیا جائے۔

اس موضوع کا چوتھا حصہ یہ ہے کہ علوم عصریہ کے شمول کے نقصانات اور فائدے کیا ہیں؟ جہاں تک بات نقصانات کی ہے اس میں دو پہلو ہیں، ایک پہلو یہ ہے کہ عصری علوم کے شمول کی وجہ سے نصابی کتب زیادہ ہو جائیں گی جس کا بوجھ طلبہ پر بڑھ جائے گا اور وہ ان کے متحمل نہیں ہو سکیں گے، اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ طلبہ کمزور رہ جائیں گے ان کی صلاحیت میں کمال پیدا نہیں ہوگا، شاید اسی وجہ سے حضرت نانوتویؒ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ حکومتیں خود عصری ادارے قائم کرتے ہیں ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ زمانہ واحد میں علوم کثیرہ کا دخول باعث نقصان ہوتا ہے اور کسب معاد کے بجائے کسب معاش مقصد ہو جاتا ہے اور یہ بات بہت حد تک درست بھی ہے، گاؤں اور دیہاتوں میں کوئی علوم عصریہ کا حامل دینی خدمت، امامت، مکاتب میں تعلیم دیتا ہوا نہیں ملے گا، صرف اور صرف علوم دینیہ کے حاملین ہی ایسے مقامات پر خدمت انجام دیتے ہوئے ملیں گے۔

علوم عصریہ کے شمول میں افادیت کے پانچ پہلو ہیں۔(۱) آج سوشل میڈیا کے ذریعہ ہر گھر میں اسلام پر اعتراضات کو داخل کر دیا گیا ہے اور جھوٹ کے پلندے کو سچ بنا بنا کر اس طرح پروپگنڈہ کیا جاتا ہے کہ لوگ اس کے سچ ہونے کا یقین کرنے لگتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس کے دفاع کے لئے عصری علوم کی ضرورت ہے؛ حضرت نانوتویؒ نے آریہ سماج کے یلغار کا مقابلہ کیا، بانیٔ ندوہ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے قادیانیت کا مقابلہ کیا بلکہ مداس میں منطقی اور فلسفی علوم کا دخول فکری یلغار کے دفاع کے لئے ہی کیا گیا تھا جو اس زمانہ کے عصری علوم تھے حالانکہ بہت سے منطقی اور فلسفی اصول سلامی عقائد کے بالکل معنایر ہیں؛ (۲) دوسرا پہلو افادیت کا یہ ہے کہ دعوت اسلام کے لئے بقدر ضرورت عصری علوم سے استفادہ کیا جائے تاکہ غیر مسلم کو دعوت دینے میں سہولت، قرآن کریم میں توحید الٰہی پر ایسے بہت سے شواہد و دلائل میں جن کی تعلیم عصری علوم میں ہیں اور ان جدید علوم ان کے افہام و تفہیم کے لئے وسیلہ و ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔(۳) افادیت کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ ہماری آنے والی نسل کو ہماری اردو زبان میں سمجھانا بہت مشکل ہے؛ آفس اور دفتری امور سے لے کر گھر کی زبان تک ہر جگہ انگریزی کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے، اس لئے انگریزی زبان سے واقفیت ضروی ہے تاکہ اس کو دینی تعلیم و تبلیغ کا وسیلہ بنایا جائے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، تمام رسولوں نے اپنی اپنی قوم کو ان ہی کی زبان و لغت میں تبلیغ کی ہیں ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ط (سورۂ ابراھیم: ۴) جیسا کہ فارسی کے غلبہ کے زمانہ میں فارسی میں علوم اسلامیہ کا ترجمہ کیا گیا تھا۔(۴) چوتھا پہلو یہ ہے کہ

مدارس دینیہ کی طرف طلبہ کا رجوع کم سے کم تر ہوتا جارہا ہے، جس کی تلافی اس طرح ہوسکتی ہے کہ عصری علوم کو داخل کر کے مدارس اسلامیہ کی طرف طلبہ کو متوجہ کر سکتے ہیں۔ (۵) پانچواں پہلو یہ ہے کہ ۹۹ رفیصد طلبہ انگریزی تعلیم حاصل کر رہے ہیں کیا ان کو دین سکھانا ہماری ذمہ داری نہیں ہے؟ ظاہر ہے کہ ان کو دین سکھانا بھی ہماری ذمہ داری ہے تو پھر ان کو پڑھانے کے لئے عصری علوم کی ضرورت ہوگی ورنہ اتنی بڑی تعداد دین اسلام سے دور ہوکر خود ہمارے لئے بھی وبال جان بنے گی اور مذہب اسلام کو ان سے شدید نقصان پہنچے گا جیسا کہ مذہب سے غیر وابستہ انگریزی اور ماڈرن طبقہ سے نقصان کا مشاہدہ ہو رہا ہے یہ افادیت کے پہلو ہیں اور اوپر جو دو نقصانات بیان کئے گئے ہیں اس کا تدارک متوازن نصاب مرتب کر کے ہوسکتا ہے جیسا کہ عالم عرب کے بعض مدارس میں ہے اور جب ہمارے طلبہ مدارس میں عصری علوم حاصل کر کے عصری اداروں کا رخ کرلیں گے اور خدمات انجام دیں گے تو وہاں کی فضاء بدلے گی اور مثبت اثر رونما ہوگا جس کی مثال علی گڑھ یونیورسیٹی ہے، جہاں ابتداء میں اگر چہ کہ کمیونسٹ کے اثرات تھے لیکن جب مدارس کے خواندہ علماء داخل ہوئے وہاں کی فضاء میں تبدیلی آئی دینی مزاج پیدا ہوا، جس کا متعدد مدارس میں بھی فقدان ہے شاید اس کی وجہ ہمارے یہاں تربیتی نظام میں کمی ہے جس سے مزاج بنتا ہے۔

۱۹۹۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں کئی عصری علوم داخل کئے گئے، جیسے تواریخ جغرافیہ، علم المدنیات، کمیسٹری اور بائیولوجی کے مبادیات داخل کئے گئے تھے۔

اس موضوع کا پانچواں حصہ عصری علوم کے شمول کی تدبیر کیا ہے؟ تو مولانا نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں میرا منصوبہ یہ ہے کہ ابتدائی پانچ سالہ نصاب دینی وعصری علوم کے امتزاج سے اس طرح تیار کیا جائے کہ آگے عصری علوم حاصل کرنا چاہیں تو کرسکیں یا علوم دینیہ میں اختصاص پیدا کرنا چاہیں تو آگے تعلیم جاری رکھ سکیں نیز فراغت کے بعد ایک تین سالہ کورس شروع کیا جائے جن میں انگریزی کے ساتھ جدید علوم جیسے علم الابدان اور علم معاشیات کے مبادی وغیرہ کو پڑھایا جائے، اس طرح نئی نسل کو دین اور دنیا سے ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے۔

لمحہ فکریہ

فتوؤں کی گرم بازاری

مولانا ندیم الواجدی*

آج کل فتووں کے متعلق بہت کچھ لکھا پڑھا اور سنا جارہا ہے، میڈیا نے اس موضوع کو بار بار اٹھا کر اسے ایک مسئلہ بنادیا ہے، ورنہ فتویٰ پوچھنے اور بتلانے کا کام نیا نہیں ہے، ہر دور میں مسلمان اپنے علماء اور فقہاء سے مسائل معلوم کرتے رہے ہیں، زبانی بھی اور تحریری بھی، اسلام کے دور اوّل میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے سوالات پیش کرتے اور جواب پاتے، یہ تمام سوال و جواب حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں اور امت آج تک ان سے استفادہ کررہی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ صحابۂ کرامؓ یہ خدمت انجام دیتے رہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے فقہی بصیرت سے نوازا تھا، علامہ ابن القیمؒ نے ''اعلام الموقعین'' میں ایک سو تیس صحابۂ کرامؓ کے اسمائے گرامی ذکر کئے ہیں جو فتویٰ دیا کرتے تھے، یہ سلسلہ اس وقت سے اسی طرح چل رہا ہے اور قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا۔ فقہی احکام مدون ہونے کے بعد فتویٰ نویسی نے باقاعدہ ایک فن کی شکل اختیار کرلی، پہلے طلبہ ماہر فن اساتذہ کی خدمت میں رہ کر فقہ و فتاویٰ کی تعلیم حاصل کرتے تھے، بعد میں اس فن کی درسگاہیں بن گئیں اور طلبہ ان درسگاہوں میں رہ کر یہ فن حاصل کرنے لگے، ماضی میں بہت سے فقہاء ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اس موضوع پر باقاعدہ کتابیں لکھی ہیں، یا ان کے فتاویٰ جمع کئے گئے ہیں، اس طرح کی فقہی کتابیں اور مجموعے کئی کئی ضخیم جلدوں میں ہیں، ان میں بہت سی کتابوں کی باقاعدہ تعلیم ہوتی ہے؛ بعض کتابیں مطالعے میں رکھی جاتی ہیں اور بوقت ضرورت ان کی طرف مراجعت کی جاتی ہے، ماضی قریب میں برصغیر ہندو پاک میں بھی ایسے بہت سے فقہاء گذرے ہیں جن کے فتاویٰ کے مجموعے اُردو میں مرتب ہوکر شائع ہوئے، جیسے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، امداد الفتاویٰ، احسن الفتاویٰ، فتاویٰ رحیمیہ، فتاویٰ محمودیہ، خیر الفتاویٰ، فتاویٰ عثمانی وغیرہ، آج بھی بہت سے مفتیانِ کرام ایسے ہیں جن پر امت اعتماد کرتی ہے، اور ان کے فتاویٰ کو حرف آخر سمجھا جاتا ہے۔

یہاں یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ مفتی اپنی طرف سے کچھ نہیں بتلاتا، بلکہ پیش آمدہ سوال یا مسئلے کا حل

*مدیر ماہنامہ ترجمانِ دیوبند

کتاب وسنت کی روشنی میں پیش کرتا ہے، اور اگر اسے کتاب وسنت میں کوئی واضح ہدایت نہیں ملتی تو اس مسئلے کی نظیریں تلاش کرتا ہے اور ان کی روشنی میں حل ڈھونڈتا ہے، خود اپنی عقل سے کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایک مسلمان کی زندگی پر فقہی احکام ومسائل کا گہرا اثر مرتب ہوتا ہے، بہت سے نیک لوگ جو شریعت کے سانچے میں ڈھل کر زندگی گزارنا چاہتے ہیں وہ قدم قدم پر شریعت کی رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اور اس کے لیے انہیں کتابوں سے مدد لینی پڑتی ہے اور اگر کتابوں سے ان کی ضرورت پوری نہیں ہوتی تو وہ اہل علم کی طرف لپکتے ہیں اور ان سے پوچھتے ہیں، علماء حضرات بھی مسئلہ بتلانے میں تأمل نہیں کرتے کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ شریعت میں مسلمانوں کی رہ نمائی ان کی ذمہ داری ہے۔ فتویٰ کی اہمیت کو ہر مسلمان تسلیم کرتا ہے، خواہ وہ باعمل مسلمان ہو یا بے عمل۔

بدقسمتی سے ہمارے دور میں ذرائع ابلاغ نے انسانی دل ودماغ پر اپنا تسلط جما لیا ہے، وہ انسان کی زندگی کے ہر گوشے میں کچھ اس طرح دخیل ہو گیا ہے کہ ہم چاہیں بھی تو اس سے چھٹکارا نہیں پا سکتے، اب سے کچھ سال پہلے تک یہ صورت حال نہیں تھی، ہمارے ملکوں میں الیکٹرانک میڈیا کے نام پر صرف سرکاری چینل دوردرشن تھا جس نے خبرناموں اور تفریحی پروگراموں تک خود کو محدود کر رکھا تھا، صرف اخبارات ہی وسیلۂ اطلاع تھے، عام طور پر فضا بھی فرقہ واریت کی باد سموم سے اس حد تک مکدر نہیں ہوئی تھی، اس لیے لوگ محض باخبر رہنے کے لیے یا تفریح طبع کے لیے اخبارات ورسائل دیکھتے تھے۔ جب سے الیکٹرانک میڈیا کے نام پر سینکڑوں کی تعداد میں ملکی اور غیر ملکی چینل شروع ہوئے ہیں انہوں نے سب کو اپنے حصار میں لے لیا ہے، کیا بچے، کیا بوڑھے، کیا جوان، اس لیے کہ ان چینلوں کے پاس ہر عمر اور ہر معیار کے لوگوں کے ذوق کی تسکین کے لیے سامان موجود ہے، خبریں بھی ہیں، فلمیں بھی ہیں، کھیل کود بھی ہے، کارٹون بھی ہے، موسیقی بھی ہے، اکثر وبیشتر چینل رات دن رواں دواں رہتے ہیں، چینلوں کی کثرت نے ان کے درمیان مقابلہ آرائی کی فضا پیدا کر دی ہے، ہر چینل یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے ناظرین کے سامنے ایسا کچھ پیش کرے جس سے اس کی واہ واہ ہو، ناظرین کی تعداد بڑھے، اس کے نتیجے میں اشتہارات زیادہ ملیں، خوب پیسہ کمائیں، مسابقت کا یہ جذبہ انہیں نت نئے موضوع تلاش کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

فتوے سے زیادہ دلچسپ موضوع ان چینلوں کو کوئی دوسرا نہیں مل سکتا، کیوں کہ وہ فتوؤں کی آڑ میں اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑا کر نہایت آسانی کے ساتھ اپنی ٹی آر پی بڑھا سکتے ہیں۔

سب سے پہلے تو ہم یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ فتویٰ دینے کی ذمہ داری کوئی معمولی ذمہ داری نہیں ہے اس میں کسی چیز کے جواز یا عدم جواز، حلت یا حرمت کے متعلق اللہ تعالیٰ کے حکم کو بتلانا پڑتا ہے اس طرح ایک مفتی

شریعت کی ترجمانی کرتا ہے، اس ترجمانی کے دوران وہ کسی شرعی حکم میں ادنیٰ درجے کا تغیر بھی نہیں کرسکتا، وہ اس حکم کی توضیح وتشریح تو کرسکتا ہے، مگر اسے یہ اجازت نہیں کہ وہ اس میں کوئی تبدیلی کرے۔ اس طرح دیکھا جائے تو یہ بڑی ذمہ داری ہے، اگر ہم یہ کہیں کہ یہ ایک پل صراط ہے تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں، مسئلہ بتلانے میں صحابۂ کرامؓ جیسے لوگ بھی احتیاط سے کام لیتے تھے، صحابۂ کرامؓ کے واقعات میں ہے کہ اگر کسی صحابیؓ سے کوئی سوال کیا جاتا تو وہ دوسرے کے پاس اور دوسرا تیسرے کے پاس بھیج دیتا یہ سلسلہ اسی طرح دراز ہوتا یہاں تک کہ سائل پہلے والے صحابیؓ کی طرف واپس آجاتا اور ان سے دریافت کرتا۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ''مجھ کو فقہ ہی میں بولتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے، مسائل کا بہت نازک معاملہ ہے۔'' (الافاضات الیومیہ ج ۱ ص ۹۴) ایک جگہ فرمایا ''فقہ کا فن بڑا ہی نازک ہے، میں اتنا کسی چیز سے نہیں ڈرتا جتنا اس سے ڈرتا ہوں۔'' (حسن العزیز ج ۱ ص ۱۴۴) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ فتویٰ نہیں دیتے تھے بلکہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔ (حسن العزیز ج ۲ ص ۲۰۳) مگر آج کل شرعی مسائل کے باب میں بے باکی بہت بڑھ گئی ہے، حد یہ ہے کہ بعض وہ لوگ جو محض صورت سے عالم لگتے ہیں مسئلہ بتلانے بیٹھ جاتے ہیں، بہت سے اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ ہر سوال کا جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں چاہے انہیں معلوم ہو یا نہ معلوم ہو، خواہ انہیں اس مسئلے کی تحقیق ہو یا نہ ہو، وہ لاادری (میں نہیں جانتا) کہنا اپنی شان کے منافی سمجھتے ہیں حالانکہ حضرت امام مالکؒ جیسا محدث اور فقیہ بھی اس میں کوئی جھجک نہیں سمجھتا تھا، ان کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امام صاحبؒ سے ۴۰ سوال کئے گئے، جن میں سے ۳۶ کے جواب میں انہوں نے لاادری کہا، صرف چار کا جواب دیا، حضرت تھانویؒ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ آخر خوفِ خدا بھی کوئی چیز ہے۔ (الافاضات الیومیہ ج ۱ ص ۵۹)

اصل بات یہ ہے کہ ہم تعلیمی انحطاط میں مبتلا ہیں، تیز رفتار زندگی نے ہمیں ہر شعبے میں برق رفتاری کا عادی بنا دیا ہے، پہلے لوگ سالہا سال کی محنت کے بعد کسی لائق بنتے تھے، اب وقت رہا ہے اور نہ محنت، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہٗ نے اپنے والد ماجد مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ ''کسی بھی علم وفن میں کوئی بھی اعلیٰ مقام حاصل کرنے اور اس مقام کو خدمت دین اور خدمت خلق کے نقطۂ نظر سے مفید بنانے کے لیے بڑے مراحل سے گزرنا ہوتا ہے، حضرت والد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علومِ دین اور بالخصوص فقہ وفتویٰ میں جو مقام بلند عطا فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی عطائے خاص کے علاوہ اس طرز عمل کا نتیجہ ہے جو اس سلسلے میں آپ نے اختیار فرمایا، اور اس طرز عمل کا خلاصہ احقر کی ناچیز رائے میں چار چیزیں ہیں (۱) پیہم محنت (۲) للّٰہیت

(۳) بزرگوں کی صحبت اوران سے تربیت حاصل کرنے کا اہتمام (۴) اورغایت احتیاط۔ (البلاغ مفتی اعظم نمبر ۱۱۴)

آج کل جوحضرات فقہ وفتاویٰ کی تعلیم حاصل کرکے منصب افتاء پر بیٹھ جاتے ہیں وہ خود اپنا احتساب کریں کہ ان چارامور میں سے ان کے پاس کیا چیز ہے؟ اگر ہم یہ کہیں تو غلط نہ ہوگا کہ ہمارا نظام فتویٰ رو بہ انحطاط ہے، اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا، اس کی چند بنیادی وجوہات ہیں جن کی طرف ہم ذیل میں اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

گذشتہ دس پندرہ برسوں کے درمیان جگہ جگہ دارالافتاء قائم ہو چکے ہیں، پندرہ بیس برس پہلے صرف مشہور و معروف مرکزی مدارس میں افتاء کے شعبے ہوا کرتے تھے، اب شاید ہی کوئی مدرسہ ایسا ہو جہاں یہ شعبہ قائم نہ ہو، ہم بعض ایسے مدارس سے واقف ہیں جہاں عربی کے درجات موجود نہیں ہیں، لیکن وہاں افتاء کی تعلیم بھی دی جاتی ہے، اورفتویٰ دینے کا بندوبست بھی ہے، بعض لوگوں نے چھوٹے چھوٹے قصبوں میں، بلکہ گاؤں دیہات میں اپنے ذاتی دارالافتاء بنالیے ہیں، ان اداروں میں افتاء کی تعلیم بھی ہوتی ہے اور یہاں سے فتوے بھی جاری کئے جاتے ہیں، ایسے لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ اس طرح کے ادارے قائم کرکے نظام افتاء کی خدمت کے بجائے اس نظام کا توازن بگاڑ رہے ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ مسلم معاشرے میں مفتی کو جو وقار اور اعتبار حاصل ہے اسے پانے کے لیے ہمارے نوجوان علماء اپنے نام کے ساتھ مفتی کا سابقہ لگانا چاہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج ہر دینی درسگاہ میں افتاء کی تعلیم حاصل کرنے والوں کا ایک ہجوم ہے، اہل مدارس بھی افتاء کی تعلیم کو اپنی حصول یابیوں میں سرفہرست رکھنے پر مجبور ہیں کیوں کہ چندہ دہندگان کی پسندیدگی اسی کو حاصل ہے، طلبہ کی خواہش، ذمہ دارانِ مدارس کی کوشش اور چندہ دینے والوں کی پسندیدگی کے تکون نے اس تعلیم کو اس کے اعلا معیار سے ہٹادیا ہے، بعض مدارس سے صرف نام کے مفتی نکل رہے ہیں، ان میں نہ فقہی شعور پایا جاتا ہے، اور نہ عصری اسلوب میں مسائل کی تفہیم کا سلیقہ، اور نہ معاشرتی تقاضوں اور ضرورتوں کا صحیح ادراک، یہی وجہ ہے کہ بالکل بدیہی معاملات میں بھی متضاد فتاویٰ جاری ہوتے ہیں، فتووں کے اس تضاد نے معاشرے میں نظامِ فتویٰ نویسی کو مذاق کا موضوع بنادیا ہے، پہلے اگر کوئی فتویٰ جاری ہوتا تھا تو متعلقہ لوگ اس کے سامنے خود کو دینی اور سماجی اعتبار سے بے بس محسوس کرتے تھے، اب وہ اس کے اثرات سے خود کو آزاد تصور کرتے ہیں، متعلقہ افراد کو سوچنا چاہیے کہ آخر یہ صورت حال کیوں پیدا ہوئی؟

نظام افتاء کی اس توسیع پسندی نے اس نظام کی مرکزیت کو کمزور کردیا ہے، اب سے چند سال پہلے تک اہم مسائل ومعاملات میں دارالعلوم دیوبند جیسے مرکزی اداروں کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، اوران اداروں سے جاری ہونے والے فتووں کو حرف آخر سمجھا جاتا تھا، اب صورت حال تبدیلی کی طرف مائل ہے، اوراس سے ہمارے اداروں کی مرکزیت کو خطرہ لاحق ہوگیا ہے، اربابِ بست وکشاد کو اس پورے نظام کا جائزہ لینے سے

پہلے اس پہلو کو بھی سامنے رکھنا ہوگا۔

غیر معیاری مفتیوں کے اس سیلِ رواں پر قابو پانے کے لیے ضروری ہے کہ افتاء کی تعلیم کو چند مرکزی درسگاہوں تک محدود کیا جائے، اور ان درسگاہوں میں بھی اس تعلیم کے لیے ایسی شرائط عائد کی جائیں کہ صرف قابل اور ذی استعداد طلبہ ہی ان شرائط کی تکمیل کر سکیں، اکثر مدارس میں افتاء کی تعلیم کے لیے صرف ایک سالہ کورس ہے، یہ مدت اچھا مفتی بننے کے لیے بہت مختصر ہے، کم از کم سہ سالہ نصاب تعلیم ضروری ہے اس میں دو سال مختلف علوم وفنون کی تعلیم کے لیے اور ایک سال تدریب وتمرین کے لیے ہونا چاہیے، زیر تعلیم طالب علم کو اسی وقت افتاء کی سند سے سرفراز کرنا چاہیے جب ہر طرح سے یہ تسلی اور اطمینان ہو جائے کہ وہ صحیح معنی میں مفتی بننے کا اہل ہے۔ افتاء کی تعلیم کے نصاب میں فقہ وفتاویٰ کی کتابوں کے ساتھ ساتھ انگریزی اور ہندی زبانیں بھی سکھلائی جائیں، اور ان سماجی، اقتصادی اور نفسیاتی علوم میں بھی مہارت پیدا کرائی جائے جن کی ضرورت فتویٰ نویسی کے دوران پیش آسکتی ہے، ایک مفتی کے لیے ضروری ہونا چاہیے کہ وہ جدید وقدیم علوم کا ماہر، وقت کے تقاضوں سے باخبر، اور عصری اسلوبِ تفہیم سے واقف اور ظاہر وباطن کے اعتبار سے اسلامی تعلیمات پر سختی کے ساتھ عمل پیرا ہوا۔

مرکزی درسگاہوں میں قائم دارالافتاء کے علاوہ اس میدان میں جو ادارے اس وقت کام کر رہے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ اپنی سرگرمیوں کو محدود کریں، خاص طور پر سیاسی اور سماجی طور پر حساس اور مختلف فیہ مسائل و معاملات میں فتویٰ دینے سے اجتناب کریں اور ان کو مرکزی اداروں پر محوّل کر دیں۔

آج کل فتویٰ پوچھنے کا رجحان بہت زیادہ بڑھ گیا ہے، کوئی بھی واقعہ ہو، کسی بھی طرح کا مسئلہ ہو فوراً ہی شریعت کے بعض ہمدرد اور بہی خواہ حضرات خواہ وہ اس واقعے سے براہ راست متعلق ہوں یا نہ ہوں ایک عدد سوال نامہ تیار کر کے مفتیان کرام کی طرف بڑھا دیتے ہیں، اور اسے کار خیر سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، بیشتر حضرات صرف جذبہ خود پرستی اور خودنمائی کی تسکین کے لیے اس طرح کے سوال نامے مرتب کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ مفتیان کرام کو سوالات کی پیچیدگی میں الجھا دیں، مفتیان کرام بھی ہر رطب و یابس کا جواب دینا، اور ہر مسئلے پر اپنی رائے ظاہر کرنا ضروری سمجھتے ہیں، یہ صحیح ہے کہ مفتی کی ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ وہ سوالات کی گہرائی میں جائے اور سائل کی نیت کا پتہ لگائے، لیکن اس کو اتنا بھی سادہ لوح نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی سائل کی شرانگیزی کو نہ سمجھ سکے، یا جواب سے پیدا ہونے والے ردّعمل کا اندازہ نہ لگا سکے، اس لیے مفتیانِ کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ حساس معاملات میں خاموشی کا وطیرہ اپنائیں یا وسیع تر مشاورت کے بعد فتویٰ دیں اس سلسلے میں مرکزی درسگاہوں کو مفتیان کرام کے لیے رہ نما اصول وضع کرنے چاہئیں۔

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

ادارہ

۱۲ ربیع الاول کی شرعی حیثیت

سوال: ماہِ ربیع الاول میں آمد سرکار کی خوشی منانا، خاص کر ۱۲ ربیع الاول کو یوم عید کی طرح منانا، ایک دوسرے کو sms کے ذریعہ مبارک باد دینا، نئے کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، اس دن کو کائنات کی سب سے بڑی عید کہنا، جشنِ عید میلاد النبی کہنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اور کیا اس دن کو بارہ وفات کہنا درست ہے؟ محفل میلاد کرنا، قیام وسلام وغیرہ جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: اسلام میں کسی کی ولادت پر جشن اور خوشی منانے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کا دن عید کے طور پر مقرر ہوتا تو دورِ نبوت میں اور صحابہ کرامؓ میں اس کا ضرور ثبوت ہوتا، صحابہ کرامؓ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے عاشق اور جاں نثار تھے، اس کے باوجود دورِ صحابہؓ یا اس کے بعد کبھی بھی اس دن کو عید اور تہوار کے طور پر نہیں منایا گیا، پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کی تاریخوں میں متعدد اقوال ہیں لیکن وفات کی تاریخ اکثر مؤرخین کے نزدیک بارہ ربیع الاول ہے اس لئے اسے بارہ وفات بھی کہا جاتا ہے، تو ذرا خود ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ اس امت کے لئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دنیا سے پردہ فرمانے سے بڑا المناک سانحہ کیا اور کوئی ہوسکتا ہے، پس اس المناک حادثے کے دن کو عید اور خوشی کا دن قرار دینا ایک دوسرے کو مبارک باد دینا، نئے کپڑے پہننا اور خوشبو لگانا کسی سچے محبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے گوارا ہوسکتا ہے، بہر حال اس دن جشن میلاد منانا اور اسے باعثِ اجر وثواب جاننا دین اسلام میں ایک زیادتی اور بدعت ہے، اسی طرح محفلِ میلاد متعدد منکرات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز اور ممنوع ہے، ہر مسلمان کو ایسی باتوں سے احتراز کرکے سچے اور صحیح دین کی طرف لوٹ آنا چاہیئے اور اس پر قائم رہنا چاہیئے۔

(کتاب النوازل، ۱/ ۵۱۴)

کسی عزیز کی موت کا اعلان کرنا

سوال: جب کسی کی موت ہوجائے تو کیا اس کا اعلان کرسکتے ہیں؟

جواب: موت کی اطلاع کی تین صورتیں ہیں، ۱) اہل وعیال، احباب واصحاب اور اہلِ صلاح کو اطلاع کرنا یہ تو سنت ہے، ۲) فخر ومباہات کے لئے مجمع کثیر کو جمع کرنے کے لئے اعلان کرنا مکروہ ہے، ۳) لوگوں کو آہ وبکا کے لئے اطلاع کرنا حرام ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۱/۴۵۶)

محفلِ میلاد میں قیام کرنا کیسا ہے؟

سوال: موجودہ زمانہ میں جہاں بھی محفلِ میلاد لگتی ہے وہاں اکثر لوگ قیام کرتے ہیں، تو یہ قیام کرنا کیسا ہے

جواب: میلاد میں قیام کرنا بے اصل ہے، قرآن وسنت یا کسی بھی شرعی دلیل سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور یہ کھلی بدعت ہے خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو تعظیماً کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے چناں چہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس میں تشریف لائے تو صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم میں کھڑے ہوگئے تو آپ نے فرمایا میرے لئے قیام مت کرو جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کیلئے قیام کرتے ہیں۔ (کتاب النوازل: ۱/۵۵۵)

غیر مسلم بیمار کی عیادت کرنا

سوال: ہمارے معاشرہ میں چوں کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں ایک دوسرے سے جُڑے ہوئے ہیں ایسی صورت میں اگر کوئی غیر مسلم بیمار ہوجائے تو اس کی عیادت کرنا جائز ہے؟

جواب: کسی بھی غیر مسلم کی عیادت کرنا جائز ہے، مشکوٰۃ شریف کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی لڑکے کی عیادت کی جو آپ کی خدمت کیا کرتا تھا یعنی جب وہ بیمار ہوتو آپ نے اس کی بیمار پُرسی کی۔

(فتاویٰ بینات ۳/۲۳۶)

بہ حالتِ جنابت کھانا پینا

سوال: کوئی شخص بہ حالت جنابت ہوتو کیا اس کے لئے پاک ہونے سے پہلے کھانا پینا درست ہے؟

جواب: ایسا شخص جو کُلّی کئے بغیر پانی پیا اور نگل لیا تو پانی پینا مکروہِ تنزیہی ہے، وہ بھی صرف پہلا گھونٹ مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ پانی منہ کی جنابت کو زائل کرنے میں استعمال ہوتا ہے، اسی طرح ہاتھ دھونے سے پہلے کچھ کھانا پینا مکروہِ تنزیہی ہے۔

نفاس والی عورت، جنابت کو دور کرے یا نہیں؟

سوال: نفاس والی عورت کو جنابت پیش آجائے تو غسل واجب ہے یا نہیں؟ یا نفاس سے پاکی کے بعد ایک ہی غسل کافی ہے؟

جواب: پاک ہونے کے بعد ایک ہی غسل فرض ہوگا۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۳۲)

خبرنامہ

عالمِ اسلام کی خبریں

✷ خواتین کے گاڑی چلانے سے سعودی شہریوں کو سالانہ ۲۵ ارب ریال کی بچت۔

✷ خواتین کو کار چلانے کی اجازت اقتصادی اصلاحات کا حصہ: پرنس خالد بن سلمان، نیز اقوام متحدہ اور امریکہ نے اس فیصلہ کا خیر مقدم کیا اور تاریخی فیصلہ درست سمت میں ایک اہم پیش رفت قرار دیا۔

(۲۸ ستمبر 2017 روزنامہ اعتماد)

✷ حوثیوں کی جانب سے جنگ میں استعمال ۱۵ سال سے کم عمر ۲۰۰ یمنی بچے ہلاک،

یمن جنگ میں لاکھوں بچے بنیادی سہولتوں سے محروم: یونسیف (11/20 اکتوبر 2017 روزنامہ اعتماد)

✷ اخوان نظریات سے دہشت گرد پیدا ہو رہے ہیں؛ سعودی جامعہ نے اسلام پسند تحریک سے قربت رکھنے والے تمام پروفیسرس سے معاہدہ ختم کر دیا۔ (21 اکتوبر 2017 روزنامہ اعتماد)

✷ عراق میں ۴۲ سنی مسلمانوں کو سزائے موت، یہ رواں برس کے دوران اجتماعی سزائے موت کا سب سے بڑا واقعہ ہے۔ (27 ستمبر 2017 روزنامہ منصف)

✷ ڈنمارک نے بھی برقع پر پابندی لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ (8 اکتوبر 2017 روزنامہ منصف)

✷ میانمار فوج کی ''نسل کشی'' مہم میں خواتین عصمتیں پامال ہونے کا انکشاف، اقوامِ متحدہ کے ڈاکٹروں کی جانب سے تصدیق، بنگلہ دیش میں بھی روہنگیا مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ۔

(26 اکتوبر 2017 روزنامہ منصف)

✷ مذہبی تہوار کے بہانے ۱۵۸ یہودی قبلہ اول مسجدِ اقصیٰ میں داخل۔

(11 اکتوبر 2017 روزنامہ اعتماد)

✷ سعودی عرب میں اب زنانہ ملبوسات اور اشیاء کی دکانیں صرف خواتین چلائیں گی۔

(22 اکتوبر 2017 العربیہ ڈاٹ نٹ)